بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاتَّقُوا اللّٰہَ

قسط نمبر ۸

رابطہ کے لئے

سعید احمد

مسجد توحید

سیکٹر 51/C، کورنگی، کراچی

فون نمبر: 0333-3611556

پیش لفظ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری میں جس میں آپ کی وفات ہوئی قبر ومردہ پرستی سے سختی سے روکا تھا۔آپ نے فرمایا کہ یہود ونصاری نے انبیاء وصالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا میں تمہیں اس کام سے روکتا ہوں۔مگر برا ہو شیطان لعین کا اس نے قبر ومردہ پرستی کے زہر کو امت میں سرایت کر دیا ہے۔قبروں اور مردوں کی پوجا عام ہے۔قبریں مردے باباؤں کے نام لے لے کے پوجی جاتی ہیں۔مردہ بابے مرنے کے بعد زندہ سمجھے جاتے ہیں زندہ بھی ایسے جو دنیا والوں کی پکاروں کو سنتے ہیں ان کی دھائیاں سن کر ان کی مشکل کشائی کرتے ہیں۔مردوں سے متعلق ایسا اس لیے سمجھا جاتا اور مانا جاتا ہے کہ امت کے احبار ورھبان نے امت میں مردوں کے زندہ ہوجانے، سننے سنانے کے عقائد کو اسلامی عقائد کے نام سے پھیلایا ہے۔یعنی دین کے خلاف دین کو استعمال کیا گیا ہے۔مردہ وقبر پرستی کے دین کی سرپرستی سب نے مل کر کی ہے مگر اس میں سب سے بڑا حصہ فرقہ اہل حدیث کا ہے جس نے اس کی عالمانہ انداز سے خدمت کی ہے اور برابر کیے جاتے ہیں۔انہوں نے کیسے اور کس طرح یہ کام کیا ہے اس پر کچھ روشنی اگلی سطور میں پیش کردہ مضمون میں ڈالی جارہی ہے۔ظاہر ہے قبر ومردہ پرستی کے شجر خبیثہ کو اگر اکھاڑ پھینکنا ہے تو اس کی جڑ سے اسے اکھاڑنا ہوگا۔اس کی جڑ حیات وسماع فی القبر ہے۔اور اس درخت کے مالی وہ لوگ ہیں جو ان عقائد کو حق ثابت کرنے میں لگے رہے ہیں۔انہوں نے ان عقائد کی آبیاری، پرورش اور ترویج کچھ اس طرح کی ہے کہ منکر وموضوع روایات کو جید قرار دے کر انہیں عقائد کی بنیاد بتایا اور قرآنی نصوص کی تاویلات کر کے اس کو ان روایات سے ہم آہنگ کرنے کی کوششیں کی ہیں۔جب قرآن کو منکر وموضوع روایات سے ہم آہنگ کیا جانے لگے تو احادیث صحیحہ کو اس کے مطابق کر ڈالنا تو زیادہ سہل ہوگیا۔صحیح احادیث کی تشریحات بھی مردوں کے زندہ ہوجانے سننے سنانے سے کی جانے لگیں۔اس طرح مردہ وقبر پرستی کے دین کو اسلامی لبادہ میں لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا رہا۔اسی کا نتیجہ ہے کہ عوام نے اسے دین سمجھتے ہوئے قبول کر لیا ہے۔اصل دین تو قرآن اور صحیح احادیث میں موجود ہے۔پیش کردہ مضمون میں قرآنی نصوص کو منکر وموضوع روایات کے بیان مطابق ڈھالنے کی کوششوں کا جائزہ لے کر اس کے بطلان کو واضح کیا گیا ہے۔ہے کوئی جو سوچے اور سمجھے؟

ڈاکٹر تاشفین علی

اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ

انیس الدین

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور اسے زندگی گزارنے کے لئے سامان زیست فراہم کیا، اس کی رشد و ہدایت کا اہتمام بھی کیا، انبیاء مبعوث فرمائے جو اس کی رہنمائی اور تعلیم و تربیت کرتے رہے۔ انسان کی رشد و ہدایت کے لئے کتب نازل فرمائیں۔ جن کی روشنی میں دین کے تقاضے بھی پورے ہوتے اور دنیا کی کامرانی بھی حاصل ہوتی۔ مگر ہمیشہ ہی انسان شیطان کے بہکاوے میں آتا رہا ہے، سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے جنہیں اللہ نے محفوظ و مامون رکھا۔ اکثریت اغوائے شیطان ہوئی ہے تو مخلصین بھی ہمیشہ رہے۔ ہر چند کہ انسان کو شیطان کی تباہ کاریوں سے واضح طور سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ پھر بھی انسانوں کی اکثریت اس کے دام فریب میں گرفتار ہوتی رہی۔ الٰہ واحد کے مقابلے میں بے شمار الٰہ قرار دے لیے گئے۔ مخلوق کو خالق کا منصب دیا گیا اور رب گردانا گیا، سورج چاند ستارے، شجر و حجر، جن و فرشتے شاید ہی کوئی مخلوق بچی ہو جس کو الٰہ نہ گردانا گیا ہو یا اللہ کا شریک نہ بنایا گیا ہو۔ اور تو اور انسان نے اپنے ہی جیسے انسانوں کو بھی اللہ کا ساجھی اور شریک بنایا ہے۔ نوح علیہ اسلام کی قوم سے لے کر آج تک یہ ہوتا چلا آ رہا ہے۔ مردوں کو اپنی توجہ، پوجا پاٹ کا محور بنایا گیا۔ ان کی قبروں سے وابستہ ہوئے، ان سے لو لگائی گئی، انہیں مشکل کشا سمجھ کر مشکل اور غم میں پکارا جاتا رہا اور خوشی اور مسرت میں بھی انہی کی نیاز مندی کی گئی۔ یہ آخری امت جس کی تعلیمات میں ہر طرح کے شرک ہر طرح کے کفر کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر امت کا تعلق حقیقی رب سے قائم کر دیا گیا تھا سب سے زیادہ انہی میں انسان کو اللہ کے مقابل لایا گیا ہے۔ مختلف انداز سے اللہ کا ساجھی بنایا گیا ہے۔ ان کے مرنے والے مر کر بھی نہیں مرتے بلکہ زندوں سے زیادہ با صلاحیت اور طاقتور ہو جاتے ہیں، زندگی میں جو نہ کر سکتے تھے مرنے کے بعد وہ سب کچھ کرنے والے ہو جاتے ہیں۔ جیتے جی پست آواز نہ سن سکتے تھے، مرنے کے بعد منوں مٹی کے تلے دفن ہو جانے کے بعد ہر پکارنے والے کی پکار سنتے ہیں۔ سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دینے والے سمجھے جاتے ہیں۔ پکار تو ظاہری عمل ہے وہ تو دلوں کے احوال سے بھی باخبر مانے جاتے ہیں۔ فوت شدہ گان قوت،

تصرف واختیار کے اس منصب پر سمجھے جاتے ہیں جو زندوں کے کام بناتے اور مرادیں پوری کرتے ہیں۔ کاروبار میں فراخی اور اولاد بھی ان ہی سے طلب کی جاتی ہے۔ زندگی کا شاید ہی کوئی معاملہ ہو جو ان فوت شدہ گان سے وابستہ نہ کیا جاتا ہو، ان کو دخیل نہ سمجھا جاتا ہو، بات زندگی کی حد تک بھی نہیں لوگ تو دوسرے جہان میں بھی ان کو ہی اپنے لیے باعث نجات سمجھتے ہیں کہ یہی ہماری اخروی نجات کا ذریعہ بنیں گے۔ یہ انسان کا انسان کے ساتھ رویہ ہے، وارفتگی ہے۔ جس قدر انسان کو مہان بنا کر پوجا گیا ہے شاید ہی کسی اور مخلوق کو اس سنگھاسن پر بٹھایا گیا ہو۔ پوجا پرستش، عبادت و بندگی ان گنت مخلوقات کی کی گئی، شریک و ساجھی تو بہت سی خلقت کو ٹھہرایا گیا مگر انسان نے انسان کو جو رتبہ دیا جوان سے والہانہ عقیدت رکھی وہ درجہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہ ہوا۔ ہر چند کہ انسان کی پوری حقیقت خلّاق نے بیان کر دی ہے۔ انسان کی اولین تخلیق سے لیکر پیدائش کا سلسلہ چلانے تک، پیدائش کا ہر ہر مرحلہ جس سے گزر کر جیتا جاگتا انسان دنیا میں آتا ہے وہ بڑی تفصیل اور فصاحت سے بیان کر دیا ہے۔ کوئی قابل ذکر پہلو نہیں چھوڑا گیا۔ انسان کو جس طرح اللہ نے تخلیق کیا اور اس کی پیدائش کا سلسلہ چلایا ہے اس کا بغور مطالعہ کر لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں احسن الخالقین کی تخلیق کا حسن و کمال و قدرت تو موجود ہے مگر اس کی تخلیق کے وقت اس میں ایسا کوئی کل پرزہ نہیں ڈالا گیا کہ وہ ایک بشر و انسان ہو کر کسی دوسرے انسان کا معبود بن سکے۔ انسان کا انسان کے لیے مراسم عبودیت بجالانا حقیقت میں اس کو معبود ٹھہرالینا ہے جو بڑے پرلے درجہ کی گم گشتگی ہے۔ یہ شیطان لعین کی فریب کاری ہے۔ جس میں انسانیت بری طرح مبتلا ہے۔ انسان کی پیدائش کے سارے مرحلے اللہ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں بیان کر دیے ہیں۔ ذرا اس پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ انسان کی تخلیق و پیدائش کے سلسلہ کو دیکھیں، یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے بھلا یہ کیسے اللہ کی ذات وصفات میں، حکم و اختیارات میں، قدرت و تصرف میں شریک و ساجھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کی تخلیق کے منصوبہ کا اظہار فرمایا تو کہا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ

(سورہ حجر آیت ۲۸)

اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے ایک بشر پیدا کر رہا ہوں۔

انسان کی تخلیق لیس دار گارے، مٹی کے ست سے کی۔ اس ابتدائی تخلیق کے بعد:

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۚ (سورہ سجدہ آیت ۸)

پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے۔

یہ پانی جن مراحل اور پراسس سے گزر کر جیتا جاگتا انسان وجود میں آتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی تفصیل سے بیان کر دیے ہیں۔ سورۃ مومنون اور سورۃ حج میں اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ انسان کی اولین تخلیق اور اس کے بعد اس کا سلسلہ پیدائش یہ دونوں مرحلے قرآن کریم میں وضاحت سے بیان کر دیے گئے ہیں۔ اللہ کی الوہیت کی ان گنت نشانیاں آفاق میں تو موجود ہیں ہی، خود انسان کی تخلیق و پیدائش اور اس کے وجود میں بھی موجود ہیں:

وَ فِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ۙ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ

(سورہ ذاریات آیت ۲۱،۲۰)

زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے اور خود تمہارے اپنے وجود میں بھی۔ کیا تم کو سوجھتا نہیں؟

اللہ کی الوہیت اور اس کے رب اور خالق ہونے کی نشانیاں تو انسان کی ذات میں موجود ہیں مگر انسان کے اللہ کے ساتھ کسی بھی معنوں میں شریک و ساجھی ہونے کا ہلکا سا اشارہ تک موجود نہیں۔ نطفہ کی ایک بوند بلکہ اس کے کروڑویں حصہ سے پیدائش کے مراحل سے گزر کر جیتا جاگتا انسان بن کر رحم مادر سے دنیا میں آنے کے بعد یہ ماں باپ کی پرورش کا محتاج ہوتا ہے۔ پھر جب اللہ اس کو کسی لائق کر دیتا ہے تو اسی کو دوسرے انسان کسی شکل میں اللہ کا شریک ٹھہرانے لگتے ہیں۔ اللہ اسے پیدا فرماتا ہے اور اس کے جینے کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ اسے رزق عطا فرماتا ہے کہ انسان اللہ کی بندگی کرے، اس کے احکامات کی بجا آوری کرے۔ مگر ہوتا یہ آیا ہے کہ الٹا انسان انسان ہی کو اللہ کی قدرت، تصرف و اختیار میں شریک ٹھہرا کر اس کی بندگی میں لگ گیا۔ بڑی احمقانہ اور گمراہ کن سوچ ہے کہ مخلوق کو خالق کا شریک ٹھہرایا جائے، جو کسی چیز کو پیدا نہ کر سکتے ہوں بلکہ خود پیدا کیے گئے ہوں، پیدائش کے بعد پرورش کے محتاج رہے ہوں بڑے ہو کر بھی ہر ہر مرحلے میں اللہ کی عطا و عنایات ہی کی بدولت جن کا گزر بسر ہوا ہو، یہاں تک کہ موت سے ہمکنار ہو کر غسل تجہیز و تکفین و تدفین میں دوسرے لوگوں کے محتاج ہوں، وہ خالق کے شریک سمجھے جانے لگیں۔ بڑی سادہ اور ہر ایک کی سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ جو خلق کرتا ہو وہ اور جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکتا ہو بلکہ خود پیدا کیا گیا ہو، کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پھر اے لوگو تم اپنے جیسے ان انسانوں کو کیوں رب کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ کیوں ان کی پکاریں لگاتے ہو۔ کیوں ان کی دہائیاں دیتے ہو۔ کیوں ان کے نام کی نذریں چڑھاتے ہو، اولادیں بھی تم ان سے مانگتے ہو۔ آخر ایسا کیوں ہے؟؟؟ جہلا کا جواب بالعموم یہ ہوتا ہے کہ یہ بزرگ ہستیاں ہیں، پہنچے ہوئے ہیں۔ عبادات و ریاضت سے انہیں شکتی، پاور حاصل ہو جاتی ہے۔ اس جواز و استدلال کا دین میں ذرّہ بھر بھی نشان نہیں ملتا۔ الٹا اس کی تردید سے قرآن و حدیث بھرا ہوا ہے۔

دوسرا طبقہ شہداء کی حیات سے اس کو نتھی کر کے سمجھتا ہے کہ انسان انسان میں بشر بشر میں فرق ہے اور انسان فوق البشر بھی ہو جاتا ہے۔ اللہ کی کتاب کی رو سے انسان کا انسان سے فرق تقویٰ کی وجہ سے ضرور ہے لیکن اس فرق کی بنا پر انسان کو اللہ کے ساتھ شریک سمجھ لینا گمراہی کا نتیجہ ہے اور شیطان کی تعلیم کے سوا کچھ نہیں۔ شہداء کی حیات جو کہ قرآن وحدیث کی رو سے برزخی حیات ہے۔ اس سے انسان کو انسان کا مددگار، ملجا وماوی اور اللہ کی ہمسری کرنے کا نتیجہ نکالنا پرلے درجے کی حماقت اور ضلالت ہے۔ شہید تو اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے جان دیتا ہے۔ وہ اللہ کی بندگی کا حق ادا کرتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے پھر شہید کہلاتا ہے۔ وہ اللہ کی ہمسری کے لیے تو اپنی جان قربان نہیں کرتا، تو پھر کیوں شہداء کو اس معاملہ میں گھسیٹا جاتا ہے۔ شہداء کی حیات سے شہدا کو فوق البشر سمجھنا اور کائنات کے تکوینی امور میں متصرف گردانا قرآن وحدیث کے دین میں نہیں ہے۔ یہ سب من گھڑت نظریات وہفوات ہیں۔ شہید تو شہید ہوتا ہی اس وقت ہے جب وہ اللہ کی راہ میں قتل ہو کر اللہ کی بارگاہ میں اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ شہداء کی حیات کو لے لیا جاتا ہے، ان کا قتل ہو جانا، جو انہیں آیات میں واضح طور سے بیان ہوا ہے اسے یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ شہید اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے والا ہوتا ہے۔ اس حقیقت سے صرف نظر کر کے اس کی حیات کو صحیح طور پر نہیں سمجھا جا سکتا۔ دنیا میں اللہ کا بندہ اللہ کی راہ میں قتل ہوتا ہے، اس کے خاکی جسد کو خاک کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اس کی روح کو اللہ برزخی جسم کے ساتھ جنت میں داخل فرما دیتا ہے جہاں وہ جنت کے رزق سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ شہید کی آرزو کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش اس کی قوم کو معلوم ہو اللہ نے اسے بخش دیا ہے اور عزت وتکریم والوں میں شامل فرما دیا ہے۔ لیکن وہ خود نہ تو کوئی ادنی طاقت رکھتا ہے نہ تصرف کہ جس دنیا کو چھوڑ آیا ہے وہاں تک اپنی بات ہی پہنچا سکے۔ شہداء احد کا واقعہ بھی دیکھ لیا جائے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شہداء جنتوں میں اعلی مقام پر سبز اڑنے والے جسموں میں اللہ کی نعمتوں سے مستفید ہوتے ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں۔ انہیں دنیا اور دنیا کے معاملات سے نہ تو کوئی غرض ہوتی ہے اور نہ تعلق۔ نہ ہی ان کا دنیا سے کسی بھی قسم کا کوئی رابطہ ہوتا ہے۔ مسلم کی حدیث میں احد کے شہداء پر اللہ کے الطاف وانعام کا ذکر ہوا ہے۔ مسروق بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی: جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ان کو مرے ہوئے نہ سمجھو، وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں، ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے بھی اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا، آپ نے فرمایا: ان کی روحیں سبز پرندوں کے اندر ہیں، ان کے لیے عرش الٰہی کے ساتھ قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں، وہ روحیں جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی ہیں، پھر ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں۔ ان کے رب نے اوپر سے ان کی طرف جھانک کر دیکھا اور فرمایا: کیا

تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟انہوں نے جواب دیا: ہم (اور) کیا خواہش کریں، ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں گھومتے اور کھاتے پیتے ہیں، اللہ نے تین بار ایسا کیا (جھانک کر دیکھا اور پوچھا)۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کو چھوڑا نہیں جائے گا، ان سے سوال ہوتا رہے گا تو انہوں نے کہا: اے ہمارے رب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیا جائے یہاں تک کہ ہم دوبارہ تیری راہ میں شہید کیے جائیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ان کو کوئی حاجت نہیں ہے تو ان کو چھوڑ دیا۔ (مسلم حدیث نمبر ۴۸۸۵)

اس حدیث سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ شہید دنیا میں نہیں بلکہ جنتوں میں دوسرے جسموں کے ساتھ برزخی زندگی گزار رہے ہیں اللہ کی نعمتوں اور رزق سے بہرہ مند ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواہش سے متعلق بار بار پوچھنے پر دنیا میں آنے کی خواہش بھی صرف اس لیے کرتے ہیں کہ پھر سے اللہ کی راہ میں قتل ہو کر اپنی جان کا نذرانہ پیش کریں۔ اس میں ایک اہم بات یہ بھی آ گئی جس نے سارا معاملہ ہی صاف کر دیا کہ اللہ نے ان سے خواہش خود ہی پوچھی اور بار بار پوچھی، مگر جب انہوں نے اپنی روحوں کو اپنے دنیاوی جسموں میں لوٹا کر دوبارہ دنیا میں بھیجے جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں انکے حال پر چھوڑ دیا۔ کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ مرنے کے بعد مرنے والوں کو قیامت سے پہلے دنیا میں زندہ کر کے نہیں بھیجا جاتا۔ اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کا جب اس دنیا سے اور دنیا میں رہنے والوں سے کوئی تعلق کوئی رابطہ ہے ہی نہیں تو ان کو اپنا مشکل کشا حاجت روا سمجھ کر پکارنا جہالت اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ صریح شرک ہے جو غالب اور قادر رب کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ پورے قرآن وحدیث میں انبیاء وصدیقین، شہداء وصلحا کے متعلق ایک لفظ بھی ایسا موجود نہیں کہ یہ بزرگ ہستیاں وفات سے ہمکنار ہو جانے کے بعد الوہی صفات سے متصف ہو کر کار دنیا انجام دینے والی ہو جاتی ہوں۔ تو پھر دنیا کیوں انبیاء، اولیا وصلحا، صدیق اور شہداء سے متعلق ایسے اعتقادات رکھتی ہے جیسے کہ معبود سے متعلق ہی ہونے چاہئیں، ان بزرگوں کو اللہ کے ساتھ جو شریک و ساجھی ٹھہرایا گیا آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ بظاہر بڑی عجیب بات ہے مگر ہے بہت سادہ سی، امت کی پیشوائی کا دم بھرنے والوں نے انکو اس راہ پر لگایا ہے۔ وہ بزرگ ہستیوں کا تکوینی امور میں کردار بتاتے ہیں۔ کار دنیا انجام دینے والا قرار دیتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

فكذلك الإنسان قد يكون في حياته الدنيا مشغولا بشهوة الطعام والشراب والغلمة وغيرها من مقتضيات الطبيعة والرسم، لكنه قريب المأخذ من الملا السافل قوي الانجذاب إليهم، فإذا مات انقطعت العلاقات، ورجع إلى مزاجه، فلحق بالملائكة، وصار منهم، وألهم كالهامهم، وسعى فيما يسعون فيه۔

(حجۃ اللہ البالغۃ جلد ا صفحہ نمبر ۱۱۱ مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت)

بالکل اسطرح انسان کا حال ہے کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کھانے پینے اور شہوت نفسانی اور اسطرح کے دیگر طبعی تقاضوں کو پورا کرنے اور زندگی کے مختلف مراسم و معاملات میں مصروف رہتا ہے لیکن اس کا قریبی تعلق ملائکہ سافل سے ہوتا ہے اور انہی کی جانب اسکو زیادہ میلان اور کشش ہوتی ہے۔ لہٰذا جب وہ مرجاتا ہے تو اسکے تمام جسمانی علاقی تعلق ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ اپنی اصلی طبعیت کیطرف عود کر آتا ہے اور پھر ملائکہ میں ملکر انہی میں کا ہو جاتا ہے اور انہی کے سے الہامات اسکو بھی ہونے لگتے ہیں اور ان کے جیسے کام وہ بھی کرنے لگتا ہے (اور اس طرح ان کا دست و باز و بن جاتا ہے) (اردو ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ نور محمد کراچی)

شاہ ولی اللہ صاحب کی اس بات کی تائید تنظیم اسلامی والے مفکر ڈاکٹر اسرار احمد بایں الفاظ کرتے ہیں:

یہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، اگر ان کی رائے نہ ہوتی تو میں اسے بیان بھی نہ کرتا لیکن یہ کہ وہ ایک بہت بڑے محدث، اور بہت مفکر اور دین کے فلسفے سے بہت بڑے واقف انسان تھے۔ انہوں نے کہا ہے کہ جو اولیاء اللہ ہوتے ہیں اللہ کے نیک بندے، اللہ کے بندے، ان کے انتقال کے بعد ان کی روحوں کو بھی اللہ فرشتوں کے طبقہ اسفل میں شامل کر دیتا ہے۔ یہ فرشتے ہیں ناں! اس وقت بھی موجود ہیں۔ ابھی شاید اگلے ہی جمعہ میں وہ حدیث جو ہے اس کا بیان آئے گا کہ جب بھی کسی گھر میں اللہ کے گھر میں کچھ لوگ اس لئے جمع ہوں کہ اللہ کی کتاب پڑھیں اور سمجھیں اور سمجھائیں تو ان کے اوپر فرشتے گھیرا ڈال لیتے ہیں اور ان پر اللہ کی طرف سے سکینت نازل ہوتی ہے اور رحمت نازل ہوتی ہے اور اللہ ان کا ذکر کرتا ہے فرشتوں کے پاس دیکھو میرے بندے تم کہتے تھے یہ فساد مچائے گا'' دیکھو یہ بھی تو ہیں ناں جو میرے کلام کو پڑھنے کے لئے میرے گھر میں جمع ہیں''۔ تو فرشتے ہیں موجود ہیں ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ دو فرشتے موجود ہیں۔ تو یہ فرشتہ اسفل ہے سب سے نیچے جو دنیا کے کاروبار کو چلانے میں اللہ تعالیٰ کے Civil Servants ہیں۔ پھر اس سے اوپر کے فرشتے ہیں اس سے اور اوپر کے فرشتے ہیں پھر مقربین ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قریب ترین فرشتے ہیں لیکن یہ کہ ملائکہ کے طبقہ اسفل میں شامل کر لیتے ہیں تا کہ جو کام اللہ تعالیٰ ملائکہ سے لیتا ہے وہ ان سے بھی لینا شروع کر دیتا ہے، کہا ہے کہ انبیاء کی ارواح جو ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ نے شامل کی ہوئی اس لشکر کے اندر وہ کام کر رہے ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مختلف معاملات Execute کرتے ہوں۔

https://www.youtube.com/mPAXp_cVgfM

مرنے والے مرے پیچھے جب فرشتوں کے ساتھ شامل ہو جاتے ہوں تو پھر وہ کیوں نہ اپنے پکارنے والوں کی بپتائیں سن کر مشکل کشائی کرتے ہوں! یہ تو وہ ایک پہلو ہے جس سے انسان کو مرنے کے بعد تکوینی امور انجام

دینے کے منصب پر فائز سمجھا گیا۔ مگر در حقیقت ان کی موت کو یا تو موت نہ سمجھا گیا، پردہ فرمانا کہا گیا، اگر موت کو مانا گیا تو محض ایک آن کو، قبر میں دفن ہوتے ہی روح لوٹ آنا، دوبارہ زندہ ہوجانا تسلیم کرلیا گیا۔ زندہ بھی ایسا جو منوں مٹی کے نیچے دیکھتا سنتا سمجھتا اور احساس وشعور رکھتا ہے۔

قاضی شوکانی لکھتے ہیں :

وورد النص فی کتاب اللہ تعالی فی حق الشھداء انھم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیم متعلقۃ بالجسد فکیف بالا انبیاء و المرسلین.....

(نیل الاوطار)

اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں صراحت سے شہداء کے بارے میں آیا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور بلاشبہ یہ حیات ان کے جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی حیات بطریق اولی اجسام سے متعلق ہوگی۔ (ترجمہ سرفراز صفدر)

قاضی شوکانی پر ہی منحصر نہیں، شیخ الاسلام کے نام سے معروف ابن تیمیہ اور ان کے ہونہار شاگرد ابن قیم نے مردوں کے زندہ ہوجانے، سننے والے، واقفان حال ہوجانے، دنیا والوں کے اعمال پر خوش یا غمگین ہونے کا بڑی شدت سے اثبات کیا ہے۔ بلکہ ان نظریات کا زبردست پرچار کیا ہے۔ ابن تیمیہ نے تو واقعہ حرہ کی راتوں میں مسجد نبوی میں اذان نہ ہونے، اور اس بنا پر قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان کی آواز آنے اور اس کو سننے کے دعوے کیے ہیں۔ ابن قیم نے مرنے والوں کی روحوں کے دنیا میں آنے جانے بلکہ ان کو ہر جگہ پہنچ رکھنے والی قرار دیا ہے۔ یہ لوگ ایسے واقعات بھی پیش کر گئے کہ مردے قبروں سے باہر نکل کر دنیا والوں کے سامنے اپنی حشر سامانی دکھاتے ہیں۔ مردوں کی زندگی سے متعلق اتنا تحریری مواد پیش کیا گیا ہے جس کا احصاء ممکن نہیں۔ اس سارے دفتر کی قرآن وحدیث کے سامنے پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں۔ قرآن وحدیث کی رو سے انسان دنیاوی زندگی گزار کر جب موت سے ہمکنار ہوتا ہے تو اس کی روح اس کے جسد عنصری سے فرشتے قبض کرتے ہیں اور نکال کر لے جاتے ہیں۔ جسد عنصری جسے عرف عام میں جسم یا بدن کہتے ہیں وہ بے جان، بے حس ہوجاتا ہے۔ اس میں گلنے سڑنے کا عمل فی الفور شروع ہوجاتا ہے۔ یہ عمل آخر کار اس جسد خاکی کو خاک کا حصہ بنا دیتا ہے۔ قرآن وحدیث میں یہ صراحت سے موجود ہے۔ تجربہ مشاہدہ اور سائنسی حقیقت اس پر مستزاد ہے۔ قرآن وحدیث کے مطابق موت کے وقت روح قبض کرنے پر مامور فرشتے انسان کی روح قبض کرتے ہیں اور اسے جسم سے نکال کر لے جاتے ہیں۔ جیتا جاگتا انسان بے جان ہوجاتا ہے، ایسا بے جان جس میں کوئی حس باقی نہیں رہتی کسی قسم کا کوئی ادراک نہیں ہوتا۔ کسی قسم کی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں

اس حالت اور کیفیت کو ''اموات غیر احیاء'' کہا گیا ہے۔یعنی مرنے والے ایسے مردے ہوتے ہیں جن میں کسی بھی قسم کی زندگی کی کوئی رمق نہیں۔''اموات غیر احیاء'' کا تقاضہ ہی یہ ہے کہ مردوں میں کسی بھی قسم کی کوئی زندگی کوئی حیات نہ ہو۔مردہ تو ہوتا ہی زندہ کی ضد ہے **وما یستوی الاحیاء ولا الاموات** (سورہ فاطر ۲۲) اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے یعنی ایسا مردہ جس میں کسی بھی قسم کی حیات نہ ہو وہی مردہ ''غیر احیاء'' ہو سکتا ہے۔تین الفاظ پر مشتمل مختصر اور جامع انداز میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ ہر چند کہ قرآن میں انسان کی تخلیق اور اس کے سلسلہ پیدائش کے مراحل بیان کر دیے گئے ہیں۔اسی طرح زندگی اور زندگی کے بعد اس کی موت کے معاملات بھی بیان کیے گئے ہیں۔اس کے تعلق سے ہر ضروری معاملہ قرآن میں موجود ہے۔مگر موت کے بعد اس جسم، بدن یا جسد عنصری میں کسی قسم کی زندگی کا ذکر تو کجا اشارہ تک نہیں ملتا الٹا اس کے متعلق ''غیر احیاء'' کا اعلان کر کے وہ سارے چور دروازے بند کر دیے گئے ہیں جسے کھولنے کے لیے مردہ پرست ہر دور میں سر پھٹول کرتے چلے آ رہے ہیں۔ مالک کائنات نے اس کے لیے جو قانون جاری کیا ہے اسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا، لوگوں کے گمراہ کن نظریات اور ان کے لیے دی جانے والی دلیلیں اللہ کے قانون، اس کے نظام میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتیں۔ جی ہاں، یہ اللہ کا قانون ہے، اس کا جاری کیا ہوا نظام ہے کہ انسان مقرر وقت پے مرتا ہے، موت کے وقت اس کی روح قبض کی جاتی ہے اور اسے اس کے جسم سے نکال کر فرشتے لے جاتے ہیں۔ روح کے جسد عنصری سے نکل جانے پر جسم و جاں کا رشتہ قیامت تک کے لیے ختم ہو جاتا ہے۔انسان زندگی میں جن اوصاف کا حامل تھا وہ سب یکسر ختم ہو جاتے ہیں۔جسم چونکہ مادی عناصر سے بنا ہوا ہوتا ہے لہٰذا نامیاتی مادہ سے متعلق اللہ کے جاری کیے ہوئے قوانین کے تحت اس میں گلنے سڑنے کا عمل فی الفور شروع ہو جاتا ہے۔آخر کار جسد خاکی خاک کا حصہ ہو جاتا ہے۔اس مادی دنیا میں انسان کی پیدائش کے مرحلوں میں سے ایک مرحلہ میں جو غیر مرئی، غیر مادی شے ''روح'' فرشتہ پھونکتا ہے وہ موت کے وقت پھر سے فرشتے نکال کر لے جاتے ہیں۔روح عالم بالا سے وارد ہوئی اور آخر کو عالم بالا ہی لے جائی گئی ... قرآن وحدیث کی رو سے جب مرنے والے مر کر مٹی ہو جاتے ہیں تو پھر ان کو کیوں سننے والا علم وادراک والا اور طاقت وتصرف کا مالک سمجھ کر مشکل کشائی کے لیے پکارا جاتا ہے۔ بہت سے مشرکانہ اعتقادان سے وابستہ کیے جاتے ہیں۔اس کا سادہ سا جواب یہی ہے کہ قرآن وحدیث نے ان مرنے والوں کو جس طرح کا مردہ بتایا ہے انہیں اس طرح مردہ مانا ہی نہیں جاتا۔قرآن وحدیث کے مقابلہ میں خود ساختہ نظریات واعتقادات کو سچ وحق سمجھا جاتا ہے۔ان کے نزدیک تو مرنے والے نہ صرف زندہ ہوتے ہیں بلکہ سنتے سمجھتے دیکھتے بھی ہیں طاقت بھی رکھتے ہیں لہٰذا تصرف بھی فرماتے ہیں۔قرآن وحدیث کے نصوص چونکہ ان مشرکانہ نظریات کا ابطال کرتے ہیں لہٰذا فن دینداری کو بروئے کار لا کر تاویلی موشگافیوں کو اسلام کا نام دے لیا گیا ہے۔مردہ

وقبر پرستی کے دین کی آبیاری کرنے اور اسے فروغ دینے والوں نے اپنے زعم باطل سے جو دلائل مہیا کیے ہیں ان کا ابطال کئے بغیر احقاق حق کا فریضہ ادا نہیں ہو سکے گا۔ قبر ومردہ پرستی شرک کی وہ قسم ہے جس سے شرک کی زیادہ تر شاخیں برآمد ہوئی ہیں۔ اس شجر خبیثہ کی جڑ پر کاری ضرب لگانا از حد ضروری ہے۔ مردہ وقبر پرستی کی جڑ حیات فی القبر کا عقیدہ ہے، مرنے والے مرتے نہیں بلکہ پردہ فرما جاتے ہیں، یا ایک آن کے لیے ان پر وعدائے الٰہی کی تصدیق کے لیے موت آتی ہے پھر وہ قبر میں دوبارہ زندہ ہو جاتے ہیں اور پھر اس زندگی میں وہ سب کچھ کرتے ہیں جو حقیقی زندگی میں بھی نہ کر سکتے تھے۔ اس زندگی کے لیے ان کے پاس شہداء کی حیات برزخی ہے، جبکہ وہ تو جنتوں میں رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں۔ ان کا اس دنیا والوں کے ساتھ کوئی تعلق کوئی رابطہ کوئی معاملہ سرے سے ہے ہی نہیں چہ جائیکہ وہ ان کی پکاروں کو سنتے سمجھتے اور اجابت کرتے ہوں۔ ان کی برزخی حیات کی بنیاد پر ان میں تصرف کی طاقت واختیار کا عقیدہ گمراہ کن اور خود ساختہ ہے۔ شہداء کے جسد عنصری میں حیات کا دعویٰ نرا دعویٰ ہے، قرآن وحدیث میں اس کی دلیل تو کجا اس کا اشارہ تک نہیں ہے، الٹا ان کی برزخی جنتی حیات کا ذکر ہے۔ جس میں ان کا اس مادی دنیا سے کوئی تعلق اور کسی قسم کا رابطہ نہیں۔ مردہ وقبر پرستی کے خوگر جسد عنصری یعنی مردہ جسم میں زندگی کے مدعی ہیں۔ اس کے لیے ان کے پاس ایک روایت ہے جس میں آیا ہے کہ دفن کے بعد مردے کے جسم میں روح لوٹا دی جاتی ہے۔ روایت کے الفاظ ہیں:

-----فتُعادُ رُوحُه فی جسَدِہ-----

پس اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

اس روایت کے تحت قبر میں دفن کے بعد مردہ جسم میں روح واپس لوٹ آتی ہے، اس طرح مردہ پھر سے زندہ ہو جاتا ہے۔ اسے بٹھایا جاتا ہے، اس سے سوال وجواب ہوتے ہیں۔ اور اس کے بعد اس جسم پر سارے معاملات گزرتے ہیں۔ حیات فی القبر کا عقیدہ رکھنے والے مردہ وقبر پرستوں کے پاس یہ واحد روایت ہے اس وجہ سے یہ ان کا اکلوتا سہارا ہے، اس ہی کی بنیاد پر وہ ہر مردے کے قبر میں زندہ ہو جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور اسی کے مطابق عذاب قبر سے متعلق صحیح احادیث کی تشریح وتوضیح اپنے عقیدے کے موافق کرتے ہیں۔ اس روایت کے الفاظ کے مطابق مردے میں دفن کے بعد روح لوٹ آتی ہے، چنانچہ اب مردہ زندہ ہے، لہٰذا زندہ ہو جانے سے وہ اب سنتا بھی ہے، اس کی سماعت کا عالم یہ ہوتا ہے کہ قبر سے باہر کی آوازیں بلکہ آہٹیں تک سن لیتا ہے۔ قبر پر موجود لوگوں کی قربت محسوس کر کے ان سے مانوس ہوتا ہے۔ مگر حیرت انگیز طور پر دفن کرنے کے لیے آنے والے لوگ مردے کی کوئی بات نہیں سن سکتے، گویا اس عقیدے کے تحت زندہ اور مردہ کا قانون ہی الٹا ہو جاتا ہے۔ بہرکیف قانون الٰہی کا کچھ بھی

بنے، مردے کے زندہ ہوجانے سے گویا مردہ پرستی کا قبروں کو پوجنے والا دین تو زندہ ہوگیا۔ اس عقیدے اور اس کی بنیاد بننے والی روایت کا جائزہ قرآن کے نصوص اور صحیح احادیث کے ساتھ ساتھ مسلمہ اصولوں کے تحت لینا ضروری ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے قرآن کو پیش کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں انسان کی دنیاوی زندگی سے متعلق ارشاد ہے:

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ

(سورہ مومنون آیت ۱۵، ۱۶)

اس (زندگی) کے بعد پھر تم سب یقینا مرجانے والے ہو۔ پھر قیامت کے دن بلاشبہ تم سب (زندہ کر کے) اٹھائے جاؤ گے۔

قرآن کریم کے ارشاد سے واضح ہے کہ اس دنیاوی زندگی کے بعد موت ہے اور اس موت کے بعد قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھایا جانا ہے۔ یہ اللہ کا قانون ہے۔ اللہ نے ہی زندگی وموت کو پیدا فرمایا اور ان کے لیے یہ قانون مقرر کیا ہے۔ انسان اس کے قانون وقدرت کے تحت اور اس کے فیصلہ کے مطابق پیدا ہوتا اور مرتا ہے اور قیامت کے دن زندہ ہوگا۔ دفن کے بعد قبر میں روح لوٹ آنے، زندہ ہوجانے کا عقیدہ قرآن کے نصوص کے خلاف ہے۔ قرآنی نصوص قانون الٰہی بیان کرتی ہیں۔ اس کے خلاف عقیدہ ونظریہ درحقیقت قرآنی نصوص کا انکار اور کفر ہے۔ قرآنی آیات اور نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس گمراہ کن مشرکانہ عقیدے کو قرآن سے ہم آہنگ کرنے کی کوششیں ہمیشہ سے کی جاتی رہی ہیں کہ کسی طرح اس کو قرآن وحدیث کے مطابق کردیا جائے۔ اس کے لیے ان کی اولین کوشش کچھ یوں ہوتی ہے، کہتے ہیں قبر میں روح کے لوٹ آنے سے جو زندگی ہوتی ہے وہ دنیا کی زندگی کی طرح نہیں ہوتی جس کی قرآن میں نفی ہے:

وحياة الميت فى قبره غير حياته الدنيوية، بل هى حياة خاصة برزخية، ليست من جنس حياته فى الدنيا التى يحتاج فيها الهى الطعام والشرب و نحو ذلك، بل هيي حياة خاصة

(مجموع فتاوی ومقالات الشیخ ابن باز الجزء ۸ صفحہ ۳۳۸)

یعنی قبر میں مردے کی جو زندگی ہے، دنیاوی زندگی کے علاوہ ہے، بلکہ وہ خاص برزخی زندگی ہے، دنیا کی زندگی کی قسم میں سے نہیں ہے جو کھانے پینے وغیرہ کی محتاج ہوتی ہے بلکہ وہ خاص حیات ہے۔

اس طرح اس کو الگ ٹائپ، الگ نوعیت، الگ طرز کی زندگی ٹھہرا کر گویا قرآنی آیات ونصوص کے انکار و کفر کا جواز پیدا کرلیا گیا ہے۔ یہ محض ایک چالبازی ہے۔ اس چالبازی کو مختلف الفاظ وانداز سے تسلسل کے ساتھ

صدیوں سے بیان کیا جا رہا ہے۔ نتیجتاً اس موشگافی اور تاویل کو قرآن کی آیات اور نصوص کا جواب مان لیا گیا ہے۔ قرآنی آیات اور صحیح احادیث کی رو سے ہر فرد بشر کے لیے دو زندگیاں اور دو موتیں ثابت ہیں۔ یہ دو زندگیاں اور دو موتیں جسد عنصری کے ساتھ ہیں۔ اس بات کو قرآن کریم میں صراحت اور تکرار سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اس مادی دنیاوی جسم کے ساتھ انسان کے لیے دو زندگیوں اور دو موتوں کا قانون ہے۔ یہ قاعدہ یہ قانون اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اور اسی نے اسے جاری اور نافذ کیا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (سورہ بقرہ آیت ۲۸)

تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیسے اختیار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے، اس نے تم کو زندگی عطا کی پھر وہی تمھاری جان سلب کرے گا پھر وہی تمہیں دوبارہ زندگی عطا کرے گا، پھر اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ (سورہ مومن آیت ۱۱)

وہ کہیں گے ''اے ہمارے رب، تو نے واقعی ہمیں دو دفعہ موت اور دو دفعہ زندگی دے دی، اب ہم اپنے قصوروں کا اعتراف کرتے ہیں، کیا اب یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی سبیل ہے؟''

ہر انسان کے لیے جسد عنصری کے ساتھ دو زندگیاں اور دو موتیں رکھی گئی ہیں۔ انسان پیدائش سے پہلے عدم میں تھا یہ زمانہ پہلی موت ہے، پھر پہلی دفعہ جب اس دنیا میں آیا تو یہ اس کی پہلی زندگی ہے، یہ زندگی گزار کر جب موت آتی ہے تو یہ اس کی دوسری موت ہوتی ہے، اس کے بعد قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھایا جانا ہے۔ یہ اس کی دوسری زندگی ہوگی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے دو موتیں اور دو زندگیاں مقرر فرما دی ہیں۔ اسی بات کو سورۃ المومنون میں بھی واضح کر دیا گیا ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ

(سورہ مومنون آیت ۱۵، ۱۶)

''اس زندگی کے بعد پھر تم سب یقیناً مر جانے والے ہو۔ پھر قیامت کے دن بلا شبہ تم سب (زندہ کر کے) اٹھائے جاؤ گے''۔

دنیاوی زندگی گزار کر جب انسان کو موت آ لیتی ہے تو اس کا جسد عنصری والا جسم بے جان، بے حس اور بے

شعور ہو جاتا ہے۔اس میں کسی بھی قسم کی کوئی زندگی یا زندگی کی کوئی رمق تک باقی نہیں رہتی۔قیامت کے دن تک وہ مردہ و بے جان ہی رہے گا۔قرآن کریم میں اس کی وضاحت سورہ نحل کی نص نے کر دی ہے۔

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۚ

(سورہ نحل آیت ۲۱)

مردے ہیں زندگی کے بغیر اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔

زندگی کے بعد موت، موت کے بعد ایسا مردہ جس میں کسی قسم کی کوئی زندگی نہیں، درحقیقت وہی مردہ ''اموات غیر احیاء'' ہے۔اموات غیر احیاء کے بعد اس میں زندگی کا دعویٰ کرنا درحقیقت قرآنی نص کا انکار ہے۔مردے، غیر احیاء میں زندگی یا حیات کا دعویٰ کرنا ایمان کی نشانی نہیں بلکہ انکار اور کفر ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے پہلے کی کیفیت بھی بیان کی تو پیدائش کے بعد موت کی اٹل حقیقت بھی بتلادی اور موت کے بعد کی صورت بھی واضح کر دی اور آخری انجام کے لیے زندہ کر کے اٹھائے جانے کا فیصلہ بھی سنا دیا ہے۔موت کے وقت فرشتے جسم سے روح نکال کر عالم برزخ کی طرف لے جاتے ہیں۔جہاں اس کے ساتھ حسب حیثیت معاملہ ہوتا ہے، نیکوکار کے ساتھ نعیم وراحت کا اور برے کے ساتھ عذاب والم کا۔یہاں دنیا میں اس کا جسم بے جان بے حس بے شعور ہو کر گلنا سڑنا شروع ہو جاتا ہے اور جلد یا بدیر مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔روح کے جسم سے نکل جانے سے لے کر قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھائے جانے کے عرصہ تک کی کیفیت کو ''اموات غیر احیاء'' کہا گیا ہے۔یعنی مردہ، بے جان۔اس کے برخلاف اس میں زندگی کا دعویٰ کرنا باطل اور مردود ہے۔اس پر مستزاد یہ کہ اس کے لیے احمقانہ باتیں کی جاتی ہیں۔یہ کہا جاتا ہے کہ اس کو جو زندگی حاصل ہوتی ہے وہ دنیا کی زندگی کی طرح نہیں ہوتی۔معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر قسم کی زندگی کی تردید کر دی ہے۔جب اس میں کسی بھی قسم کی کوئی زندگی نہیں تو اب کوئی بھی زندگی گھڑی جائے، اس سے وہ کبھی زندہ نہیں ہو سکے گا۔نام بدل دینے سے چیز تو نہیں بدل جاتی۔مردے میں زندگی کا دعویٰ خواہ کسی نام، کسی اقسام میں سے بتایا جائے، وہ ہوگی تو زندگی ہی، جبکہ قرآن نے کسی بھی قسم کی زندگی نہ ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔جسد عنصری کی اس خود ساختہ زندگی کو برزخی حیات کہہ کر اس کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔قرآن نے دو زندگیاں دو موتوں کے قانون الٰہی کو بیان کر دیا ہے، اس زندگی کے بعد موت اور اس کے بعد قیامت کے دن زندہ کیے جانے کے فیصلے کو بیان کر دیا ہے۔مرنے کے بعد سے لیکر قیامت کے دن زندہ کرنے تک کے درمیانی عرصہ کو ''اموات غیر احیاء'' یعنی بغیر زندگی والے مردے قرار دے کر مردوں اور قبروں کے پجاریوں کی بدعقیدگی

پر تیشہ چلا دیا ہے۔اور مردوں کی زندگی کے قائلین کی تاویلات اور تک بندیوں کا راستہ بند کر دیا گیا ہے۔قیامت سے پہلے مردوں کو زندہ ماننے والے اس زندگی کو کوئی بھی نام دیں، کوئی بھی جامہ پہنائیں ہوگی تو وہ زندگی ہی اور اللہ تعالیٰ نے ''بغیر زندگی والے مردے'' فرما کر ان سب عیاریوں، مکاریوں کا قلع قمع کر دیا ہے۔عالمانہ فنکاریوں سے لیس حیات فی القبر کے قائلین لوگوں کو کہتے ہیں اس آیت میں دنیا کی زندگی کا رد ہے برزخی زندگی کا نہیں۔یہ انداز فن دینداری کا حربہ ہے، دینداری نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے جسد عنصری کی قیامت سے قبل زندگی کی تردید کی ہے۔اور مردوں کو قبروں میں زندہ ماننے والے جسد عنصری میں زندگی کا دعویٰ کرتے ہیں۔جس میں اللہ نے زندگی کا رد کیا اس میں ہی ان کی طرف سے زندگی کا دعویٰ ہے۔یہ انکار اور کفر انکے عقیدے کا حصہ ہے۔اللہ کا کلام قرآن کریم تو خود ایک معجزہ ہے، باطل کا راستہ ایسے روکتا ہے کہ پھر اسے کوئی راہ نہیں ملتی۔''اموات غیر احیاء''بغیر زندگی کے مردے فرما کر ہر تاویل ہر موشگافی کا تیا پانچا کر دیا، کتنا ہی زور لگایا جائے، فن دینداری، علم الکلام اور منطق کے جو ہر دکھا لیے جائیں ''اموات غیر احیاء'' کا کوئی توڑ ممکن نہیں ہو سکے گا۔تین لفظوں کا ارشاد بلاغت کا جامع شاہکار تو ہے ہی، ٹھوس اور فیصلہ کن ایسا کہ حیات فی القبر کے حق میں صدیوں سے لکھے جانے والے دفتر کے دفتر یکسر کالعدم بلکہ صفر ٹھہرتے ہیں۔

برزخی اعادہ روح :

حیات فی القبر کے ایک مدعی اور مبلغ بنام زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

اعادہ روح برزخی ہے۔دیکھئے شرح عقیدہ طحاویہ ص ۴۵۰۔(فتوی علمیہ العروف توضیح الاحکام جلد ا صفحہ ۵۴۷-تالیف: حافظ زبیر علی زئی)

قرآن کی آیت ''اموات غیر احیاء'' کا یہ جواب دیا گیا ہے۔جسد عنصری کو اللہ تعالیٰ بغیر زندگی والے مردے بتاتا ہے۔جبکہ انہوں نے مردے کی زندگی کو برزخی حیات، برزخی اعادہ روح کہہ کر اسی جسد عنصری میں زندگی کا عقیدہ بنا لیا ہے۔قرآن کی آیت کے خلاف جسد عنصری کی یہ زندگی انہوں نے کہاں سے لی ہے، اس کے لیے موصوف نے لکھا ہے کہ دیکھئے شرح عقیدہ طحاویہ۔یعنی قرآن کو چھوڑ کر شرح عقید طحاویہ پر عقیدہ بنایا اور ایمان لایا گیا ہے۔پھر بھی دعویٰ یہی ہے کہ قرآن وحدیث پر ایمان ہے، چہ خوب۔قرآن کی کس آیت میں یہ برزخی اعادہ ارشاد ہوا ہے یا کون سی صحیح حدیث ہے جس میں یہ برزخی اعادہ اور برزخی زندگی بیان ہوئی ہے؟ پورے قرآن وحدیث میں کہیں بھی جسد عنصری میں قیامت سے قبل کسی برزخی اعادہ روح اور برزخی زندگی کا ذکر نہیں۔اسے ثابت کرنے کے لیے شرح

عقیدہ طحاویہ کو ایسے پیش کیا گیا ہے جیسے یہ کوئی صحیفہ آسمانی ہو۔اس سے یہ تو معلوم ہو ہی گیا کہ جسد عنصری کی برزخی زندگی اور اس کا جواز فراہم کرنے والے برزخی اعادہ روح کی ان کے پاس قرآن وحدیث سے کوئی دلیل موجود ہی نہیں۔ روایت '' **فتعاد روحه فی جسده** '' پر کلام آگے آئے گا کہ یہ روایت منکر بلکہ موضوع ہے،اس کا متن نکارت سے پُر ہے۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس روایت میں جسد عنصری میں روح کے لوٹا دیے جانے کا ذکر ہے، کسی برزخی اعادہ روح اور کسی برزخی زندگی کا کوئی ذکر نہیں ہے، جیسا کہ حیات فی القبر کے قائلین کا دعویٰ ہے۔

قرآن نے مردوں کو بغیر حیات والا مردہ کہا مگر انہوں نے حیات والا مردہ ہونے کا عقیدہ بنا لیا ہے۔ بڑے تواتر کے ساتھ اس کے قائلین یہ موشگافی بھی کرتے رہے ہیں کہ قرآن نے دنیاوی حیات کا رد کیا ہے جس کے لیے کھانا پینا اور دیگر حوائج ضروریہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے جبکہ قبر میں جسد عنصری کو جو زندگی حاصل ہوتی ہے وہ اس طرح کی نہیں ہوتی۔ یہ سراسر دھوکہ دہی کی کوشش ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ جسد عنصری میں روح کے لوٹ آنے سے جو زندگی ہوتی ہے اس کے لیے کھانا پینا سانس لینا خون کی گردش وغیرہ لازمی ہیں۔ جسد عنصری میں اس کے علاوہ کسی اور زندگی کا تصور قرآن وحدیث میں موجود نہیں۔ رہی یہ بات کہ قرآن میں صرف دنیاوی زندگی کا رد ہے اور دوسری اقسام کی زندگیوں کا رد نہیں اس بات میں بھی کوئی وزن نہیں بلکہ الٹا قرآن وحدیث اور مسلمات کا انکار ہے۔ قرآن نے تو انسان کی موت کے بعد جسد عنصری کی ہر قسم کی زندگی کی تردید یہ کہہ کر کر دی ہے:

وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ۟ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۝ (سورہ نحل ۲۱،۲۰)

اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کے بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، مردے ہیں بغیر زندگی کے، اور انہیں کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

اس آیت میں غیر اللہ کو پکارنے والوں سے کہا گیا ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو وہ ہستیاں کسی چیز کی بھی خالق نہیں بلکہ اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے وہ تو خود مخلوق ہیں اور مرنے کے بعد مردہ ہیں جن میں کسی بھی قسم کی کوئی زندگی نہیں، انہیں اس بات کا بھی شعور نہیں کہ کب زندہ کر کے انہیں اٹھایا جائے گا۔ یہاں غیر اللہ سے مراد انبیاء، اولیا، شہداء صالحین اور غیر معمولی انسان ہی ہیں۔ ان کو زندہ، سننے والا، مشکل کشائی کرنے والا جان کر بلکہ مان کر پکارا جاتا ہے۔ مگر کوئی بھی انہیں دنیا کی طرح زندہ نہیں سمجھتا بلکہ دنیا کے لحاظ سے تو وہ ان معتقدین کے نزدیک بھی پردہ فرمائے ہوئے ہیں۔ مردوں کو پوجنے والے اپنے اپنے باباؤں کو کسی خاص قسم کی زندگی کے ساتھ ہی زندہ مانتے ہیں۔ قرآن کی ان

آیات میں بطور خاص اس طرح کے اعتقاد رکھنے والوں کی تردید کی گئی ہے۔ان کے یہ معبود مردہ ہیں، بے جان ہیں اور کسی قسم کا شعور نہیں رکھتے۔یعنی دنیا کی موجودہ زندگی جس میں سانس لینا کھانا پینا ہوا کرتا ہے بالکل اس طرح کی زندگی تو مردوں کی بندگی کرنے والے بھی اپنے باباؤں میں نہیں مانتے وہ بھی دنیا کی زندگی سے الگ نوعیت کی ہی زندگی کا اعتقاد رکھتے ہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اور ان جیسے دیگر معتقدات کی ہی تردید کی ہے۔لہٰذا یہ دعویٰ بھی باطل ہوا کہ ''اموات غیر احیاء'' میں دنیا کی زندگی کا رد ہے کسی اور طرح کی زندگی یا برزخی زندگی کا نہیں۔ درحقیقت آیت میں جسد عنصری کی مطلق حیات کی نفی کردی گئی ہے، اموات تو مردوں ہی کو کہتے ہیں جن میں زندگی نہ ہو یا جن کی زندگی ختم ہوجائے، آیت میں اموات کے ساتھ مکرر ''غیر احیاء'' آیا ہے وہ اسی بات کا تو اعلان ہے کہ ایسے مردے جن میں کسی بھی قسم کی کوئی زندگی نہیں۔مردوں کو پکارنے کی نفی میں آیت کا مقتضیٰ یہی تو ہے کہ مرنے کے بعد جس طرح کی زندگی ان میں سمجھی جاتی ہے اس کا رد اور ابطال کردیا جائے۔جن جن کو مرنے کے بعد پکارا جاتا ہے ان کو دنیا میں معمول کے مطابق زندہ تو ویسے بھی کوئی نہیں مانتا۔بنابریں اس نفی کے بعد اس میں کسی بھی قسم کی زندگی کا عقیدہ اس آیت کے خلاف اور اس کے انکار پر مبنی ہے۔

روایت فتعاد روحه فی جسده :

قرآن کی آیات اور صحیح احادیث کے خلاف مردوں کے زندہ ہوجانے کے عقیدہ باطلہ کو صحیح اور حق سمجھنے والے اس کے لیے یہی ایک روایت اپنے کھیسے میں رکھتے ہیں۔روایت کیا ہے بس ایک عظیم الشان افسانہ ہے۔رطب و یابس کو طرز افسانہ نگاری نے ایسے اسلوب میں پیش کیا ہے کہ حیات فی القبر کے تن مردہ میں بس جان ہی ڈال دی ہے۔مردہ پرستی کے خوگر، قبر پرستی کے شیدائی، اس روایت کو مضبوطی سے پکڑے گویا جھوم رہے ہیں۔مردے زندہ ہو جاتے ہیں، اٹھ بیٹھتے ہیں، سنتے ہیں، جواب دیتے ہیں۔احساس وشعور بھی رکھتے ہیں وغیرہ۔مردہ وقبر پرستی کے لیے مرنے والوں میں یہی صفات تو سب سے پہلے درکار تھیں، یہ غرض اس روایت سے پوری ہوگئی۔ان مبینہ حاصل شدہ صفات کو عروج تک پہنچانا قدرے آسان ہوا۔اس روایت کی بدولت مردوں میں تصرف کی طاقت ماننے میں جو بڑی رکاوٹ تھی وہ دور ہوگئی ورنہ بے جان لاشے میں تصرف کی طاقت ماننا بڑا عجیب سا تھا۔چنانچہ اس روایت کو دانتوں سے پکڑ کے رکھا گیا ہے۔ایسا کیوں نہ کریں، یہ روایت جسد عنصری میں روح لوٹ آنے کا واحد سہارا ہے۔جو کہ بڑا ہی شکستہ و بودا سہارا ہے۔قرآن کی نصوص کے خلاف محکم آیات کے مقابلے میں ایک منکر و موضوع روایت پر عقیدہ بنانا قبوری دین کی ضرورت ہے۔اسی مجبوری کی بنا پر یہ لوگ اس روایت کو کسی بھی طرح سے صحیح ثابت کر دکھانے پر تلے رہے ہیں۔اس کے لیے جو جتن کیے جاتے ہیں، جو کاوشیں ہوتی ہیں وہ اپنی جگہ فن دینداری میں مہارت کا شاخسانہ

ہیں۔قرآن وحدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس روایت کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے کہ اس پر مزید تبصرہ کیا جائے مگر چونکہ ہر دور میں حیات فی القبر کے قائلین نے اس کو دلیل بنایا ہے اور اس کو صحیح ثابت کرنے کی مشق کی ہے تو مناسب یہی ہے کہ ان کی اس فن دینداری کا محاکمہ بھی ہوتا رہے۔ بالعموم انہیں کھلا میدان میسر رہا ہے جس کی وجہ سے اس ایک روایت کے ستون پہ قائم عقیدہ نے وہ رنگ جمایا ہے کہ الامان والحفیظ۔ پوری روایت کو پیش کرنا تو طوالت کا سبب ہوگا اس کی سند اور چیدہ چیدہ نکات کو پیش کر کے اس کی حیثیت کو واضح کر رہے ہیں۔اس طرح اس کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آجائے گی۔

۔۔۔۔**فتُعادُ رُوحُه فی جسَدِہ** ....الخ- مسند احمد میں اس کی سند ہے:

عن المنہال، عن زاذان، عن البراء بن عازب۔۔۔سب کتابوں میں اس روایت کی بنیادی سند یہی ہے۔

زاذان :

صحابی رسول البراء بن عازبؓ سے اسے زاذان نامی راوی نے بیان کیا ہے۔عقیدہ اور اصول کے معاملے میں لغزش کی گنجائش اور کوتاہی روا نہیں، اور یہ تو عظیم الشان عقیدہ ہے کہ دفن کے بعد ہر مردے، میت میں روح لوٹ آتی ہے۔ایسی بات روایت کرنے والے موصوف کا پورا تعارف ہونا ضروری ہے۔

نام زاذان ہے۔کنیت کے معاملے میں خود کفیل ہیں ابوعمر، ابوعبداللہ، ابوعمرو وغیرہ بتائی گئی ہیں مگر زیادہ تر ابوعمر ہی بیان کرتے ہیں۔ پیشہ کپڑے کے کام کا تھا۔ باتونی بتائے گئے ہیں (کان کثیر الکلام) اس کا ثبوت تو ان کی یہی زیر بحث روایت بھی پیش کر رہی ہے، اس روایت کا طول وعرض اس پر گواہی دے رہا ہے۔ یہ طویل روایات میں سے ہے۔ یہ روایت البراء بن عازبؓ کے دوسرے شاگردوں میں سے کسی نے بھی زاذان کی طرح بیان نہیں کی۔اس کا ملکہ زاذان صاحب ہی کو حاصل تھا، چنانچہ اس کے جوہر اس روایت میں انہوں نے بھرپور انداز سے دکھائے، کثیر الکلام باتونی شخص کہے سنے میں غلطیاں بھی بہت کرتا ہے چنانچہ موصوف ''کان یخطی کثیراً'' روایت میں کثرت سے غلطیاں کرتے تھے۔روایت کے بیان میں ارسال بھی کرتے جیسا کہ ابن حجر نے واضح کیا ہے، ابن حبان کا دعویٰ ہے کہ اس نے البراء بن عازبؓ سے اس روایت کو سنا ہی نہیں ہے۔یعنی سنے بغیر ہی البراء بن عازبؓ کا نام لے کر حدیث بیان کر دی ہے۔ابن قیم صاحب کو ابن حبان کی یہ بات بڑی ناگوار گزری ہے، انہوں نے اس کی تردید میں پورا زور لگا ڈالا، وہ کس قدر کامیاب ہوئے ان کی کوشش کا بغور مطالعہ کر لیا جائے اور ان فرمودات کی تحقیق کر لی جائے تو حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ کسی موجود دلیل صحیح سے یہ سماعت ثابت ہی نہیں۔ مجروحین اور عدم موجود کے حوالوں سے

سماعت حدیث ثابت نہیں مانی جاسکتی۔ بہرصورت محدثین کے نزدیک لیس بالمتین تھے امام ابواحمد الحاکم فرماتے ہیں **لیس بالمتین عندھم**۔ زاذان کے ایک عقیدت مند زبیر علی زئی نے ''بالمتین'' میں یہ نکتہ آفرینی کی ہے کہ زاذان المتین نہ سہی ''متین'' تو تھے۔ یعنی ''ال'' کے فرق سے زاذان سرخرو فرمائے گئے۔ ملاحظہ ہو ان کا فتاوی علمیہ جلد ا صفحہ ۵۵۲۔

اسی عقیدت مند نے ایک نکتہ سنجی یہ بھی کی ہے کہ **لیس بالمتین عندھم** میں محدثین بے نام ہیں، بے نام وگمنام لوگوں کی بات کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں۔ اس دور کی کوڑی سے زاذان کو مجروح ہونے سے گویا بچالیا گیا۔ اس انداز سے مگر جرح وتعدیل کے بڑا حصہ کو فارغ کر دیا گیا ہے۔ **لیس بالمتین عندھم** سے امام ابواحمد الحاکم کا اپنا جو انداز واستعمال اور مقصد رہا اس کو ٹھکانے لگا دینے کی سعی نامراد کی گئی ہے۔ ائمہ جرح وتعدیل کا جرح وتعدیل کے باب میں اپنا اپنا طریقہ انداز اور استعمال رہا ہے۔ جرح وتعدیل کے تعین میں ان کو پیش نظر رکھا جاتا ہے تب ہی اس کا صحیح فائدہ حاصل ہوا کرتا ہے، یہاں نہ صرف اس سے اغماض برتا گیا بلکہ زاذان کے لیے اسے دفن کر دیا گیا ہے۔ ابواحمد الحاکم کی اس جرح کو سمجھنا ہے تو جن راویوں سے متعلق انہوں نے لیس بالمتین عندھم کی جرح کی ہے ان راویوں کے احوال کا مطالعہ کرلیا جائے تو معلوم ہوجائے گا اس سے ان کا مقصد کیا ہوا کرتا تھا۔ لوگوں نے ایسا کیا بھی ہے اور راویوں کو مجروح پایا ہے بات زاذان ابوعمر الکندی کی ہورہی ہے موصوف کثیر الکلام یعنی باتونی تھے، روایات میں بہت خطاو غلطیاں کرتے تھے کان یخطی کثیرا۔ روایات میں بہت غلطیاں اور خطا کرنے والا ثقہ نہیں ہوسکتا۔ زاذان کو غیر ثقہ ہونے سے بچانے کے لیے تنکے کا سہارا لیا گیا ہے۔ وہ سہارا یہ ہے کہ ابن حبان نے اسے کان یخطی کثیرا کہنے کے ساتھ ساتھ کتاب الثقات میں بھی ذکر کیا، یہ دونوں ایک دوسرے سے متضاد ہیں اس وجہ سے ساقطہ، چنانچہ اب ان کے نزدیک زاذان پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ حقیقت مگر یہ ہے کہ ابن احبان نے زاذان سے متعلق یہ بات بالخصوص البرء بن عازبؓ سے روایت کرنے کے باب میں کی ہے۔ ثقہ کی بیان کی ہوئی ساری روایات ہی صحیح ہوں یہ کوئی اصولی بات ہی نہیں، نہ یہ اصول حدیث ہے۔ زاذان باتونی کثیر الخطاء ہی نہیں موصوف روایت بیان کرنے میں پے در پے وہم کا شکار بھی ہوتے تھے۔ ابن حبان لکھتے ہیں **کان یھم الشئی بعد الشئی**۔ مگر زاذان کے عقیدے والا عقیدت مندی میں اسے بھی ماننے کے لیے تیار نہ ہوا اور زاذان کے وہمات کا تدارک کرنے میں وہ مہارت دکھائی جسے ہاتھ کی صفائی کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ اسے بعض دفعہ بعض اشیاء میں وہم ہوجاتا تھا۔ (فتوی علمیہ جلد ا صفحہ ۵۵۶) **کان یھم الشئی بعد الشئی** کے معنی بیان کرتے ہوئے لفظ بعض کو دو دفعہ استعمال فرمایا تاکہ زاذان جو وہم کا شکار ہوا کرتا تھا اسے کم سے کم درجہ پر لایا جاسکے۔ لہٰذا اس کے معنی کرتے ہوئے وہم کو بعض دفعہ اور

بعض چیزوں میں محدود کر دیا گیا۔کیسی چابک دستی ہے، کیا خوب مہارت ہے۔حیات فی القبر کے عقیدے اور اسکے پیش کار زاذان کی عقیدت نے انہیں عبارت میں اس تصرف پے مجبور کر ڈالا، ورنہ ابن حبان کے قول میں ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔موصوف اس طرح کے تصرفات کو اپنا حق سمجھتے تھے، اپنی تحریروں میں ایسا کرتے رہے ہیں۔اس طرح ہی کے تصرف کا شکوہ کفایت اللہ سنابلی صاحب نے بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

امام ابن معین رحمۃ اللہ کی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے لفظ ''صرف'' کا اضافہ باطل وغلط اور مردود ہے۔ یہ اضافہ کر کے محترم زبیر علی زئی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ابوالعالیہ نے جو بھی روایت نقل کی ہے، وہ سب ''ابومسلم'' کے واسطے سے ہے۔حالانکہ ابن معین رحمۃ اللہ نے فقط یہ بتایا ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کی احادیث کو ابوالعالیہ نے براہ راست نہیں سنا ہے، بلکہ ابومسلم کے واسطے سے سنا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب کہاں ہوا کہ ابوالعالیہ کی ہر حدیث کا یہی معاملہ ہے؟ کیوں کہ امام ابن معین رحمۃ اللہ کے کلام میں حصر کی دلیل نہیں، لہٰذا ''صرف'' کے ذریعے سے حصر کے معنی میں ترجمہ کرنا باطل ہے۔(صفحہ ۱۶۷ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ تالیف: ابوالفوزان کفایت اللہ سنابلی)

عودروح کی روایت کے بیان میں چونکہ ان موصوف یعنی زاذان اور ان کے شاگرد خاص منہال بن عمرو کا تفرد ہے۔ان کی صداقت وثقاہت کے ساتھ ساتھ ان موصوفوں کے مذہب ومزاج سے متعلق بھی جان لینا ضروری اور لازم ہو جاتا ہے۔چنانچہ زاذان کے متعلق ابوبشر دولابی بتا چکے کہ موصوف شیعان علی میں سے تھے۔ابن حجر فرماتے ہیں کہ فیہ شیعیۃ زاذان میں شیعیت ہے یعنی موصوف شیعہ مذہب کے تھے۔اب جو بزعم خود ملقب بالسنۃ ہوں اور زاذان کے بیان پر ایمان لائے ہوں انہیں یہ بات کسی طرح گوارا تو کجا ہضم ہی نہیں ہو رہی۔یہ ان کے ایمان کا مسئلہ ہے۔لہٰذا زاذان کو شیعہ ہونے سے بچانے کے لیے بہت ہاتھ پیر مارے گئے۔ایک طرف زور لگاتے ہیں کہ زاذان شیعہ وہ شیعہ نہیں جو رافضی ہو۔اس کے لیے متقدمین کو، اور ان کے نزدیک اس سے کیا مراد ہے، اس کو لاتے ہیں۔ جیسے زاذان کا یہی معتقد لکھتا ہے: متقدمین کی اصطلاح میں تشیع اور رفض کا فرق ہے لہٰذا یہ لفظ جو کہ ثابت بھی نہیں ہے حافظ ابن حجر کے نزدیک بھی جرح نہیں ہے۔(فتوی علمیہ جلد ا صفحہ ۵۵۵) کیا خوب استدلال، کیا خوب ہی جواب ہے اور کیا خوب دفاع ہے۔فیہ شیعیۃ ابن حجر نے بتلایا ہے اور اس کی وضاحت متقدمین کے ذمہ دھر دی گئی ہے یا پھر ابن حجر کو متقدمین میں شمار کر لیا گیا ہے۔تیسری صدی ھجری کے اوائل کو جو متقدمین اور متاخرین میں حد فاصل قرار دی گئی ہے، وہ فرسودہ ہوئی، اب ابن حجر کی وفات تک کا دور متقدمین میں شمار سمجھا جائے۔متقدمین کے نزدیک کیا تھا اور کیا نہیں۔مگر یہاں شیعیت کا فیصلہ تو ابن حجر کا اپنا ہے، جو انہوں نے اس کی روایات دیکھ کر ہی کیا ہے۔زاذان کو

شیعیت سے بچانے کے لیے دوسرا انچھر یہ پھینکا گیا ہے کہ ابن حجر کی کتاب تقریب التہذیب ان ہی کی دوسری کتاب تہذیب التہذیب کا خلاصہ ہے اس میں اس کا کوئی ماخذ ہے ہی نہیں تو خلاصہ میں کہاں سے آ گیا (ملخص حوالہ مذکورہ)۔ ابن حجر سے بڑی خطا ہوگئی کہ جس بات کو انہوں نے تہذیب التہذیب میں بیان نہیں کیا تقریب التہذیب میں کیوں لے آئے؟ انہیں زبیر علی زئی کے قاعدے پر عمل کرنا چاہیے تھا۔ مگر کیا کیا جائے اس سے انحراف ہو چکا ہے۔ اس کو واپس نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت کو ماننا ہی ہوگا۔ ابن حجر نے زاذان میں شیعیت کا فیصلہ سنا دیا ہے۔ موصوف نے ایسا تاثر دیا ہے کہ یہاں ان سے کوئی فروگزاشت ہوگئی ہے، اس سے پہلے وہ اپنے ایک چیلے بنام خاکی جان عبداللہ دامانوی کے ذریعے یہ شوشہ چھوڑ چکے ہیں۔ ابن حجر کا تقریب میں یہ واحد قول نہیں جو تہذیب التہذیب میں موجود نہیں اور تقریب میں ہو، بہت سے اقوال اس میں ایسے موجود ہیں تو پھر اس پر ہی لے دے کیوں ہو رہی ہے؟ عقیدہ اور عقیدت مندی یہ گل کھلا رہی ہے۔ زاذان کے متعلق ابن حجر تقریب میں لکھتے ہیں: **صدوق یرسل فیہ شیعیۃ**، ابن حجر نے شیعیت کے ساتھ بلکہ پہلے صدوق اور یرسل بھی کہا ہے یعنی سچا اور احادیث میں ارسال کرتا ہے۔ اس صدوق اور یرسل کا بھی تہذیب التہذیب میں ذکر نہیں مگر موصوف کو اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ یہ تقریب نامی خلاصہ میں کہاں سے آ گیا ہے۔ اس کی وجہ عقیدت مند کی اسی تحریر میں موجود ہے، موصوف مرسل روایات بیان کرنے کو جرم نہیں سمجھتے۔ جرم ہو یا نہیں یہ کس نوعیت کا معاملہ ہے یہ بھی نہیں بتلایا۔ ابن حجر کا یہ اکلوتا قول نہیں ہے جو تقریب التہذیب میں پایا جاتا ہوا اور تہذیب التہذیب میں نہ ہو۔ اس میں بہت سے بتلائے جا سکتے ہیں۔ بات یہ ہے تقریب التہذیب ایک مستقل کتاب بھی ہے۔ اور کتاب کے تقاضے کے حساب سے اس کی تالیف کی ہے۔ اس کتاب کے لیے انہوں نے یہ شرط رکھی ہی نہیں کہ تہذیب التہذیب سے باہر ایک لفظ نہیں لکھوں گا۔ زاذان کے سارے احوال کو مدنظر رکھ کر ان کا جو فیصلہ تھا لکھ دیا ہے۔ یہ زاذان کے عقیدت مند کو اگر ناگوار گزر رہا ہے تو وہ صبر کریں۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا شوشہ بازی کی جا سکتی ہے۔ جو کی گئی۔ زاذان میں شیعیت تھی یا وہ شیعی تھا، جن لوگوں نے یا جس کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے انہوں نے اندھیرے میں تیر نہیں چلایا ہے۔ اس کی بنیاد دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ بالعموم وہ روایات ہیں جو اس سے مروی ہیں، اس نے بیان کی ہیں۔ ڈاکٹر بشار عواد معروف نے تہذیب الکمال کے حاشیہ میں شیعوں کی کتاب الکافی سے اس کا نمونہ پیش کیا ہے جسے حبل اللہ مجلہ نمبر ۱۳ صفحہ ۳۸ پر پیش کیا جا چکا ہے۔ علاوہ ازیں شیعہ علماء نے اپنی رجال کی کتابوں میں اس کو اپنا با اعتماد آدمی تسلیم کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ شیعہ کتب احادیث میں زاذان کی ایسی روایات موجود ہیں جو مذہب شیعہ کی تائید میں ہیں اور شیعہ علماء ان پر صاد کرتے ہیں۔ زاذان کے احوال کا مطالعہ کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف صاحب طنبورہ اور خوش آواز تھے۔ یعنی موسیقی کا آلہ طنبورہ بجانے کے ماہر ہونے کے ساتھ

ان کی آواز میں بھی حسن تھا۔ ظاہر ہے جب یہ دونوں ''خوبیاں'' ہوں تو مشغلہ پھر ہونا ہی تھا۔ زاذان کی ان خوبیوں کو بیان کرنے والوں نے عبداللہ بن مسعود کے ہاتھ پر اس سے توبہ تائب ہوجانے کو بھی رقم کیا ہے۔ شیعوں کی کتاب میں واقعہ درج ہے جو موصوف زاذان کا تعارف کروا رہا ہے:

ما روی سعد الخفاف، عن زاذان أبی عمرو، قلت: یا زاذان إنك لتقرأ القرآن فتحسن قرائته، فعلی من قرأت؟ فتبسم ثم قال: إن أمیر المؤمنین علیه السلام مربی وأنا أنشد الشعر، وکان لی خلق حسن، فأعجبه صوتی، فقال: یا زاذان هلا بالقرآن؟ قلت: و کیف لی بالقرآن فوالله ما أقرأ منه إلا بقدر ما أصلی به.قال: فادن منی. فدنوت منه، فتکلم فی أذنی بکلام ما عرفته ولا علمت ما یقول، ثم قال لی: افتح فاك، فتغل فی فی، فوالله ما زالت قدمی من عنده حتی حفظت القرآن بإعرابه وهمزه، وما احتجت أن أسأل عنه أحدا بعد موقفی ذلك. قال سعد: فقصصت قصة زاذان علی أبی جعفر علیه السلام قال: صدق زاذان، إن أمیر المؤمنین علیه السلام دعا لزاذان بالاسم الأعظم الذی لا یرد۔

(الخرائج والجرائح جلد ا صفحہ نمبر ۱۹۵ قطب الدین الراوندی)

سعد الخفاف سے روایت ہے اور انہوں نے زاذان ابوعمرو سے روایت کی ہے، میں نے ان سے کہا: اے زاذان آپ قرآن کریم پڑھتے ہیں اور بہت اچھی قراءت کرتے ہیں! کس کے پاس جا کر آپ نے قرآن کریم پڑھا اور سیکھا؟ وہ مسکرائے اور پھر جواب دیا! ایک دفعہ امیر المومنین علیہ السلام میرے پاس سے گزرے اور میں اس وقت شعر گوئی کر رہا تھا اور میرا ان کے ساتھ اخلاق والا سلوک تھا۔ ان کو میری آواز پسند آئی، مجھ سے کہا: اے زاذان! کیوں نہیں آپ یہ شغف قرآن کریم کے ساتھ رکھتے؟ میں نے کہا: امیر المومنین! میں قرآن سے کیسے یہ شغف پڑھنے کا کروں جبکہ میں نے قرآن کریم نہیں پڑھا ہے مگر اس قدر کہ جتنی کے نماز کی قراءت ہوجائے۔ انہوں نے فرمایا کہ قریب آجاؤ۔ تو میں ان کے قریب ہوا۔ انہوں نے میرے کان میں کچھ ایسی بات کہی جو میں نہیں سمجھ سکا اور نہ مجھے معلوم ہوسکا کہ انہوں نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔ پھر فرمایا اپنا منہ کھولو۔ پھر انہوں نے میرے منہ کے اندر کچھ تھوکا۔ اللہ کی قسم پھر کیا تھا کہ میرے پاؤں ابھی ان کے پاس سے ہٹے ہی نہ تھے کہ میں نے قرآن کریم کو اس کے اعراب اور ھمزہ سمیت یاد کر لیا تھا زبانی اور میری اس پوزیشن کے بعد آئندہ مجھے اس قرآن کریم کے بارے میں سیکھنے کیلئے اور کسی سے پوچھنے کی حاجت ہی نہ رہی۔ سعد کہتے ہیں: زاذان کا یہ قصہ میں نے ابوجعفر (ع) کو ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا زاذان

نے سچ کہا ہے، بلاشبہ امیر المومنین علیہ السلام نے زاذان کیلئے دعا مانگی تھی ایسے اسم اعظم کے کلمات کے ساتھ جن کی خاصیت یہ ہے کہ پھر وہ دعا رد نہیں کی جاتی۔

زاذان سے متعلق ساز و آواز کا ذکر کرنے کی ایک چھوٹی سی وجہ ہے جس کو آگے بیان کیا جائے گا۔ زاذان کی بیان کردہ زیر نظر عود روح کی روایت ماننے والے زاذان کے صادق ہونے کو کافی سمجھتے ہیں، موصوف متکلم فیہ راوی ہیں، اس سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں، اس کے علاوہ چارا بھی نہیں۔ مگر اصولی طور پر یہ روایت پھر بھی نا قابل قبول ہی ہے۔ شیعہ یا کسی بھی قسم کا بدعتی راوی جب اپنی بدعت کی تائید و تقویت میں روایت بیان کرے تو وہ رد کی جائے گی۔ یہ اصول ہے۔ (نزہتہ النظر لابن حجر، احوال الرجال لجوزجانی) بدعتی راوی کی راہ روک دی گئی ہے کہ کہیں اپنی صداقت کی مشہوری کے بل بوتے پے بدعی روایات نہ پھیلا سکے۔ مگر دوسری طرف بھی عقیدہ اور عقیدت ہے۔ اس اصول کو ماننے سے ہی انکار کر دیا ہے۔ ان کے انکار سے اصول و ضوابط کا کچھ بھی نہیں بگڑا الٹا انکا دین داری کے خوشنما لبادے میں ملبوس تعصب و ہٹ دھرمی سے بھرپور کردار عریاں ہو گیا ہے۔ ان کے عقیدے کی راہ میں جو بھی آڑے آیا اس کا صفایا کرنے پر جٹ گئے۔ ابن حجر نے زاذان کی شیعیت کا پول کھولا تو اس کو بڑے ہی مضحکہ خیز انداز میں مسترد کر ڈالا، ابو بشر دولابی نے زاذان کی شیعیت کی بات کی تو ابو بشر دولابی کو ضعیف ٹھہرا دیا۔ حالانکہ امام الدار قطنی کی وضاحت متعدد کتابوں میں موجود ہے قال الدار قطنی تکلموا فیہ لما تبین امرا الاخیر۔ دار قطنی نے کہا ان پر کلام کیا گیا مگر جو کچھ واضح ہوا وہ سوائے خیر کے کچھ بھی نہیں۔ ابن حجر مسترد۔ ابو بشر دولابی ضعیف، اصول حدیث نا قابل قبول۔ ابو احمد الحاکم کا فیصلہ لیس بالمتین عندھم میں محدثین مجہول و نا معلوم۔ ابن حبان کا یخطی کثیرا بتانے والا قول ساقط ٹھرایا گیا۔ اور وہم کا شکار بتانے کا علاج بعض وہم بعض دفعہ کر کے کیا۔ علی ھذ القیاس۔ سب ہی کو مسترد کیا خواہ مضحکہ خیز انداز میں ہی سہی۔ اگلی سطور میں اس کے اور بہت سے نظائر آ رہے ہیں۔

المنہال بن عمرو :

اس روایت کا دوسرا راوی زاذان کا شاگرد منہال بن عمرو ہے۔ موصوف استاد سے کسی طرح کم نہیں بلکہ کچھ آگے ہی ہیں۔ اہل حدیث عالم ابو الفوزان کفایت اللہ سنابلی منہال بن عمرو کی ایک روایت (عود روح والی نہیں) کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ روایت ضعیف ہے اس کی سند میں ''المنہال بن عمرو'' ہیں۔ یہ گرچہ صدوق ہیں بخاری کے رجال میں سے ہیں مگر متکلم فیہ ہیں۔ متعدد محدثین نے ان پر کلام کیا ہے۔ اور ضعفاء کے مولفین نے انہیں ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ عام حالات میں موصوف معتبر ہیں لیکن موصوف کے ایسے تفردات قابل قبول نہیں ہوں گے جن میں غلطی کا قوی احتمال

ہو۔(چاردن قربانی کی مشروعیت صفحہ ۵۳)

معلوم ہوا کہ منہال بن عمرو متکلم فیہ راوی ہے جسے ناقد محدثین نے ضعیف راویوں پر مشتمل اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔جس روایت میں اس کا تفرد ہو اور غلطی کا قوی احتمال ہو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔یہاں یہ بات یاد رکھی جائے کہ اس عود روح کی روایت میں اس کا تفرد ہے۔الذھبی لکھتے ہیں:

تفرد بحدیث منکر ونکیر عن زاذن عن البراء،(تاریخ الاسلام ۷ / ۲۸۳)

منکر نکیر والی حدیث بیان کرنے میں منہال کا تفرد ہے جو عن زاذان عن البراء کی سند سے ہے۔

اور ابن عدی نے بھی اس کے تفرد کو بیان کیا ہے:

والمنہال بن عمرو ہو صاحب حدیث الفتن الحدیث الطویل رواہ عن زاذان عن البراء وراوہ عن منہال جماعۃ (الکامل فی ضعفاء الرجال ۸ / ۴۲۸)

اور منہال بن عمرو صاحب حدیث فتن ہے جو کہ طویل حدیث ہے اس نے زاذان عن البراء کے واسطے سے اسے بیان کیا ہے۔اور منہال سے ایک جماعت نے اسے روایت کیا ہے۔

البراء بن عازبؓ سے کسی نے بھی عود روح بیان نہیں کیا ہے سوائے المنہال بن عمرو عن زاذان کے، پورے قرآن، قانون الٰہی کے خلاف اس کی روایت میں عود روح آیا ہے۔اس سے بڑی غلطی اور کیا ہو سکتی ہے۔اس میں تو احتمال والی کوئی بات ہی نہیں۔صاف اور سیدھی اور یقینی بات ہے۔اس موقع پر المنہال بن عمرو کے صحیح بخاری کا راوی ہونے کی دہائی دی جاتی ہے۔آئمہ نقد رجال کی جس طرح کی نقد موصوف پر ہے اس صورت میں اس کا کیا فائدہ۔امام بخاری نے کچھ لیا ہے تو وہ تو کئی پہلو مدنظر رکھتے اور کئی زاویوں سے دیکھ بھال کر کے لیتے ہیں۔صحیح بخاری کے باہر اس کی روایت آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کی جا سکتی۔المنہال صحیح بخاری کے رجال میں سے ہے یہ تو بڑے زور وشور سے کہا جاتا ہے مگر یہ نہیں دیکھتے کہ امام بخاری نے اسے کس طرح اور کس قدر لیا ہے اس پر غور کر لیا جاتا تو شاید پیالی میں طوفان برپا نہ کیا جا سکتا۔صحیح بخاری میں پہلی جگہ حدیث نمبر ۱۷۳۳ ہے۔یہ ایک دعا کے الفاظ سے متعلق ہے دوسری جگہ حدیث نمبر ۴۸۱۶ سے پہلے جو باب ہے اس میں پائے جاتے ہیں اس میں کوئی مرفوع حدیث نہیں بلکہ ایک شخص (نافع بن الازرق) کے قرآن کی آیات سے متعلق اعتراض اور عبداللہ ابن عباس نے اس کو جو جوابات دیے وہ بیان ہوئے ہیں۔تیسرا مقام حدیث نمبر ۵۵۱۵ کے تحت ہے۔اس میں منہال سے کوئی حدیث نہیں لی گئی ہے۔ایک موصول حدیث بیان کر کے منہال کی ایک متابعت کا ذکر کیا ہے اسی وجہ سے ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

فما لہ فی البخاری سوی حدیث عن سعید بن جبیر عن بن عباس فی تعویذ

الحسن والحسين من رواية زيد بن أبي أنيسة عنه وحديث آخر في تفسير حم فصلت اختلف فيه الرواة هل هو موصول أو معلق۔

اس سے بخاری میں حدیث نہیں سوائے سعید بن جبیر عن ابن عباس سے حسن وحسین کے لیے دعا، اس سے زید بن ابی انیسہ نے روایت کی ہے۔ اور دوسری حدیث حم فصلت کی تفسیر کے تحت ہے۔ اس میں راویوں کا اختلاف ہے کہ وہ موصول ہے یا معلق روایت ہے۔

ابو محمد عبدالغنی المقدسی اپنی کتاب ''الکمال فی اسماء الرجال'' میں المنہال بن عمرو کے متعلق لکھتے ہیں:

روى له الجماعة الا مسلما و البخاري حديثاً واحداً

(الکمال فی اسماء الرجال جلد ۹ صفحہ ۴۴)

منہال سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے سوائے امام مسلم کے، اور بخاری نے صرف ایک حدیث لی ہے۔

ان ساری گزارشات سے عیاں ہو رہا ہے کہ امام بخاری نے منہال بن عمرو کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی بلکہ اس سے حتی الامکان احتراز ہی کیا ہے۔ منہال کا بخاری کے رجال میں ہونے سے اسکی عود روح کی روایت قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ آئمہ فن رجال نے اپنی اپنی کتب الضعفاء میں ان موصوف کو جگہ دی ہے۔ دوسرے آئمہ کی بھی ان کے متعلق کوئی اچھی رائے نہ تھی:

و كان يحيى بن معين يضع من شأن منهال بن عمرو، و قال في موضع آخر ذم يحيى المنهال بن عمرو

یعنی یحیی بن معین منہال بن عمرو کی شان گھٹاتے تھے اور دوسری جگہ کہا یحیی منہال بن عمرو کی مذمت کرتے تھے۔ وقال الحاكم المنهال بن عمر وغمزه يحيى القطان، الحاکم کہتے ہیں یحیی القطان منہال بن عمرو کی تنقیص کرتے تھے۔ اور امام شعبہ نے تو موصوف سے روایت لینا ہی ترک کر دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ انہوں نے اس کے گھر سے گانے بجانے کی آواز سنی تھی۔ اس جرح سے بچانے کے لیے منہال بن عمرو کے ہمدردوں نے بہت سی باتیں کی ہیں۔ کوئی کہتا ہے وہ خوش الحانی سے قرأت قرآن فرما رہا تھا۔ کسی نے کہا گانے بجانے کی محفل اس کی عدم موجودگی میں برپا ہو رہی ہوگی جس کی اسے خبر نہ ہوگی۔ غرض کوشش یہ کی گئی کہ منہال بن عمرو کو اس سے کسی طرح گلوخلاصی دلا دی جائے۔ مگر ایسا ہونا مشکل ہے، شعبہ اس کے دور کے ہیں انہیں زیادہ معلوم اور بہتر معلوم ہوگا کہ وہ کیا دیکھ اور سن رہے ہیں۔ جو کچھ دیکھا اور سنا اس کے مطابق انہوں نے اس سے ترک روایت کا فیصلہ کیا۔ بعض چابک دست اس خبر کی سند کو ہی ناقابل قبول قرار دے کر میدان مار لینا چاہتے ہیں مگر ایسا ممکن نہیں تھذیب الکمال میں

اس کا تدارک کر دیا گیا ہے۔

وقال علی بن المدینی، عن یحیی بن سعید أتی شعبة المنهال بن عمرو فسمع صوتا فترکه، یعنی الغناء

علی ابن المدینی یحیی بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ شعبہ منہال بن عمرو کی طرف گئے تو انہوں نے وہاں گانے کی آواز سنی تو انہوں نے اسے ترک کر دیا۔ اس پر کتاب کے محقق ڈاکٹر بشار عواد معروف نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ

هذا الخبر أصح، والله أعلم. من خبر ترکه بسبب سماعه قراءة القرآن بالتطریب، فهذا غیر ذاك.

یہ خبر زیادہ صحیح ہے اس خبر سے جس میں ترک کی وجہ طربیہ انداز سے قرات قرآن سننے کی بات آئی ہے، واللہ اعلم۔ یہ خبر اس کے علاوہ ہے۔

جو لوگ منہال کے خوش آواز ہونے کو اور قرأت القران بالتطریب کو ان آوازوں کی وجہ بتاتے ہیں ان کی بھی تشفی ہو جانی چاہیے، رہی واقعہ کی سند کی بات تو اس سے اس کا جواب بھی مل جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ ترک شعبہ المنہال بن عمرو علی عمدا۔ یعنی امام احمد کہتے ہیں شعبہ نے منہال بن عمرو کو جان بوجھ کر ترک کر دیا تھا۔ اس قول پر زبیر علی زئی خامہ فرسائی کرتے ہیں: شعبہ ۱۶۰ھ میں فوت ہوئے اور امام احمد ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے لہٰذا یہ قول بے سند اور منقطع ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ (فتاوی علمیہ جلد ۱ صفحہ ۵۵۷) اس طرح موصوف نے جرح وتعدیل کے باب میں موجود اقوال کے ایک بڑے حصہ کی چھٹی ہی کرا دی ہے۔ اوپر کی سطور میں زاذان کے خوش آواز ہونے کا ذکر ہو چکا ہے ساتھ میں آلہ موسیقی طنبورہ بجانے میں اس کی مہارت بھی آ چکی ہے اب اس کے شاگرد خاص منہال بن عمرو کا بھی خوش آواز ہونے اور گھر پر غنا اور طرب کی آوازوں کا بھید بھی امام شعبہ کے توسط سے سامنے آ چکا تو معلوم ہو کہ استاد شاگرد دونوں میں طبعیت کی ہم آہنگی رہی ہے۔ بہر حال یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اہم بات یہ ہے جس کی نشاندہی امام ابراہیم بن یعقوب جوزجانی نے کی ہے وہ فرماتے ہیں:

المنهال بن عمرو سیئ المذهب، وقد جری حدیثه.

منہال بن عمرو بد مذہب ہے اس کی حدیثیں پھیل گئی ہیں۔ یہ بات ظاہر اور معلوم ہے کہ جوزجانی سیئ المذہب شیعہ راویوں کے لیے بولتے ہیں۔ منہال اپنے استاد زاذان کی طرح شیعی تھا۔

عود روح کی روایت ان دونوں کے گٹھ جوڑ کا نتیجہ ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ ان کے علاوہ کسی نے جسد عنصری میں روح کا لوٹ آنا بیان نہیں کیا ہے۔ البراء بن عازبؓ کے بہت سے شاگرد تھے کسی ایک نے بھی یہ گمراہ کن

نظریہ روایت کی صورت میں بیان نہیں کیا۔ امام جوزجانی کو ناصبی کہہ کر ان کی بات کو ہوا میں اڑانے کی کوئی بھی کوشش بے کار اور فضول ہے کیونکہ ایسا کیا جا رہا ہے۔ شیعی مذہب کے حق میں اس کی روایات دلالت تو کر رہی ہیں ساتھ میں شیعہ فرقہ کی کتب اٹھالیں موصوف بڑی شان و اکرام سے وہاں برا جمان ملیں گے۔ مذکورہ فرقہ کی کتب سے ان موصوف کی شان ملاحظہ فرمائیں:

12725- المنهال بن عمرو الأسدي:

عده الشيخ بهذا العنوان (تارة) في أصحاب الحسين عليه السلام (2)، و (أخرى) في أصحاب علي بن الحسين عليه السلام (3). وعده بزيادة كلمة " مولاهم " في أصحاب الباقر عليه السلام (60). وعده في أصحاب الصادق عليه السلام أيضا (537)، قائلا: " المنهال بن عمرو الأسدي، مولاهم، كوفي، روى عن علي بن الحسين، وأبي جعفر، وأبي عبد الله عليهم السلام ". وعده البرقي في أصحاب علي بن الحسين عليه السلام ". روى عن الأصبغ، وروى عنه علي بن عباس. كامل الزيارات: الباب (14)، في حب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الحسن والحسين صلوات الله عليهما، الحديث (9).

(معجم رجال الحديث - السيد الخوئي، ج ۲۰ الصفحة 10)

المنہال بن عمرو الاسدی: شیخ نے اس کو اسی عنوان کے ساتھ کبھی اصحاب حسین علیہ السلام میں شمار اور کبھی اصحاب علی بن حسین علیہ السلام میں، اور کبھی ''مولاہم'' کی زیادتی کے ساتھ اصحاب باقر علیہ السلام میں شمار کیا تو کبھی امام صادق علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے شمار کیا یہ کہتے ہوئے کہ ''منہال بن عمر واسدی، مولاہم، کوفی روی عن علی بن حسین وابوجعفر وابوعبداللہ علیہم السلام'' اور برقی نے ان کو علی بن حسین علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے شمار کیا ہے۔ انہوں نے اصبغ سے روایت کی اور ان سے علی بن عباس نے روایت کی۔ کامل الزیارات: الباب 14 فی حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحسن والحسین صلوات اللہ علیہما، الحدیث۔

شیعہ کتب مصادر میں المنہال کو جو اعتماد حاصل رہا ہے وہ بلا وجہ نہیں درج ذیل واقعہ اس پر روشنی ڈال رہا ہے۔

أخبرنا محمد بن محمد، قال: أخبرني المظفر بن محمد البلخي، قال: حدثنا أبو

على محمد بن همام الإسكافى، قال: حدثنا عبد الله بن جعفر الحميرى، قال: حدثنى داود بن عمر النهدى، عن الحسن بن محبوب، عن عبد الله بن يونس، عن المنهال بن عمرو، قال: دخلت على على بن الحسين (عليهما السلام) منصرفى من مكة فقال لى: يا منهال، ما صنع حرملة بن كاهلة الأسدى؟ فقلت: تركته حيا بالكوفة، قال: فرفع يديه جميعا، فقال: " اللهم أذقه حر الحديد، اللهم أذقه حر الحديد، اللهم أذقه حر النار ". قال المنهال: فقدمت الكوفة، وقد ظهر المختار بن أبى عبيد، وكان لى صديقا، قال: فكنت فى منزلى أياما حتى انقطع الناس عنى، وركبت إليه فلقيته خارجا من داره، فقال: يا منهال، لم تأتنا فى ولايتنا هذه، ولم تهننا بها، ولم تشركنا فيها؟ فأعلمته أنى كنت بمكة، وأنى قد جئتك الان: وسايرته ونحن نتحدث حتى أتى الكناس، فوقف وقوفا كأنه ينتظر شيئا، وقد كان أخبر بمكان حرملة بن كاهلة، فوجه فى طلبه، فلم نلبث أن جاء قوم يركضون وقوم يشتدون حتى قالوا: أيها الأمير، البشارة، قد أخذ حرملة بن كاهلة، فما لبثنا أن جئ به، فلما نظر إليه المختار قال لحرملة: الحمد لله الذى مكننى منك. ثم قال: الجزار الجزار، فأتى بجزار، فقال له: اقطع يديه، فقطعتا، ثم قال له: اقطع رجليه، فقطعتا، ثم قال: النار النار؟ فأتى بنار وقصب فألقى عليه واشتعلت فيه النار. فقلت: سبحان الله! فقال لى: يا منهال، إن التسبيح لحسن، ففيم سبحت؟ فقلت: أيها الأمير، دخلت فى سفرتى هذه منصرفى من مكة على على بن الحسين (عليهما السلام) فقال لى: يا منهال، ما فعل حرملة بن كاهلة الأسدى؟ فقلت: تركته حيا بالكوفة؟ فرفع يديه جميعا فقال: " اللهم أذقه حر الحديد، اللهم أذقه حر الحديد، اللهم أذقه حر النار ".فقال لى المختار: أسمعت على بن الحسين (عليهما السلام) يقول هذا؟ فقلت: والله لقد سمعته قال، فنزل عن دابته وصلى ركعتين فأطال السجود، ثم قام فركب، وقد احترق حرملة، وركبت معه وسرنا، فحاذيت دارى، فقلت: أيها الأمير، إن رأيت أن تشرفنى وتكرمنى وتنزل عندى وتحرم بطعامى. فقال: يا منهال، تعلمنى أن على بن الحسين دعا بأربع دعوات فأجابه الله على يدى ثم تأمرنى أن آكل! هذا يوم صوم شكرا لله (عز وجل) على ما فعلته بتوفيقه.

حرملة: هو الذی حمل رأس الحسین (علیه السلام)

(امالی الشیخ الطوسی صفحہ نمبر ۲۳۸,۲۳۹)

منہال ؓ بن عمرو سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں میں مکہ سے حج کرتے ہوئے واپسی مدینہ میں حضرت امام علی بن حسین زین العابدین علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپؑ نے مجھ سے سوال کیا اے منہال! حرملہ بن کاہلہ اسدی کا کیا بنا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں اس کو زندہ چھوڑ کر آیا ہوں۔ منہال کہتا ہے۔ آپ نے اپنے ہاتھوں کو بلند فرمایا اور یوں دعا فرمائی: اللھم اذقه حر الحدید اللھم اذقه حر الحدید اللھم اذقه حر النار

''اے اللہ! اسے لوہے کی گرمی کا مزا چکھا، اے اللہ! اسے لوہے کی گرمی کا مزہ چکھا، اے میرے اللہ! اس کو آگ کی گرمی کا مزہ چکھا''۔ منہال بیان کرتا ہے میں کوفہ پہنچا تو اس وقت مختار بن ابی عبیدہ کوفہ کا حاکم بن چکا تھا اور میری اس کے ساتھ پہلے ہی سے دوستی تھی۔ میں اپنے گھر میں چند دن سے تھا اور لوگ میرے پاس آ رہے تھے۔ جب لوگوں کا میرے پاس آنا کم ہوا تو میں اس کو ملنے کے لیے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے پاس گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بھی اپنے گھر سے باہر آ رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا: اے منہال! اس کار خیر میں تو ہمارا ساتھ کیوں نہیں دیتا؟ میں نے جواب دیا: میں حج پر گیا ہوا تھا اور ابھی واپس آیا ہوں اور اب میں تم سے ملنے کی غرض سے آیا ہوں۔ میں اس کے ہمراہ روانہ ہوا اور باتیں کرتے کرتے کناس کوفہ میں پہنچ کر رک گئے۔ مختار کسی کے انتظار میں تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے حرملہ بن کاہلہ اسدی کے ٹھکانے کی خبر دی۔ مختار اس کو گرفتار کرنے کے لیے اس مقام کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ لشکر کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور انھوں نے حرملہ بن کاہلہ اسدی کی گرفتاری کی خوشخبری دی اور مبارک باد دی۔ کچھ دیر کے بعد وہ ملعون پیش کیا گیا تو مختار نے حرملہ کو دیکھ کر کہا: الحمد للہ الذی مکننی منک تمام حمد ہے اس اللہ کے لیے جس نے مجھے تجھ پر قدرت و طاقت دی اور تجھے گرفتار کروایا۔ پھر مختار نے آواز دی: قصاب کو بلاؤ، قصاب کو بلاؤ، پس قصاب آیا تو مختار نے حکم دیا اس کے ہاتھ کاٹ دو۔ قصاب نے اس کے دونوں ہاتھوں کو کاٹ دیا۔ پھر مختار نے حکم دیا کہ اس ملعون کے دونوں پاؤں کو بھی کاٹ دو۔ قصاب نے اس کے دونوں پاؤں بھی کاٹ دیے۔ اس کے بعد مختار ؓ نے کہا: اب آگ جلائی جائے۔ پس آگ جلائی گئی اور اس ملعون کو آگ میں ڈال دیا گیا اور وہ آگ میں زندہ جل کر خاکستر ہو گیا۔ منہال کہتا ہے میں نے سبحان اللہ کہا تو مختار نے مجھ سے فرمایا اے منہال ویسے تو اللہ کی تسبیح بہت اچھی عبادت ہے لیکن اس وقت اس موقع پر تسبیح کی کیا وجہ ہے؟ میں نے عرض کیا

اے امیر! میں اس سفر میں حج پر گیا ہوا تھا۔ مکہ سے واپسی پر میں علی بن حسین علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپؑ نے مجھ سے سوال کیا اے منہال! حرملہ بن کاہلہ اسدی کے ساتھ کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا میں اس کو زندہ چھوڑ کر آیا ہوں تو آپ نے اپنے ہاتھ بلند فرمائے اور اس کے لیے بددعا کی۔ اے اللہ! اسے لوہے کی گرمی کا مزا چکھا، اے میرے اللہ! اس کو لوہے کی گرمی کا مزہ چکھا۔ دومرتبہ فرمایا اور پھر فرمایا اے اللہ! اس کو آگ کی گرمی کا مزہ چکھا۔ پس مختار نے مجھ سے کہا: کیا واقعی تم نے خود علی بن حسین علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپؑ نے یوں فرمایا تھا۔ میں نے کہا: خدا کی قسم، میں نے خود آپؑ سے یہ سنا ہے۔ منہال کہتا ہے مختار اپنے گھوڑے سے اترا اور اس نے دو رکعت نماز ادا فرمائی کہ جس میں سجود کو طول دیا۔ پھر کھڑا ہوا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اتنے میں حرملہ خاک بن چکا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ سوار ہوا اور ہم واپس پلٹے جب میرے گھر کے قریب پہنچے تو میں نے کہا اے امیر! اگر مناسب سمجھیں تو میرے گھر تشریف لائیں اور کھانا میرے ہاں تناول فرمائیں۔ اس میں میری عزت افزائی ہوگی۔ مختار نے کہا اے منہال تم نے مجھے خبر دی ہے کہ میرے مولا علی بن حسین علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی اور اس دعا کو اللہ نے میرے ہاتھوں پورا فرمایا ہے لہٰذا اب میں کھانا کیسے کھا سکتا ہوں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کرنے کی خاطر روزہ رکھ لیا ہے۔ اور یہ وہ ملعون حرملہ ہے جس نے امام حسین علیہ السلام کے سر اقدس کو نیزہ پر اٹھایا ہوا تھا۔

(مترجم امالی شیخ طوسی جلد دوئم صفحہ ۲۳۲ تا ۲۳۴، ترجمہ سید منیر حسین رضوی)

امام الجوزجانی کا منہال بن عمرو کو سیئی المذھب کہنا بلاوجہ نہیں ہے، اس کی اور بہت سی وجوہات ہیں، اوپر پیش کیا گیا واقعہ تو مشتے از خروارے ہے۔

متن روایت عود روح، غرابت ونکارت :

سرمایہ حدیث میں روایت ''**فتعاد روحه فی جسده**'' منہال بن عمرو عن زاذان کے طریق سے وارد ہوئی ہے، پورے سرمایہ کی منفرد روایت ہے۔ اس منفرد روایت میں ان استاد و شاگرد کا تفرد ہے۔ یہ دونوں کس قبیل کے تھے ان کا کچھ تعارف اوپر کی سطور میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ روایت حیات فی القبر کی اساس ہے۔ روایت کو اسلامی دنیا میں متعارف کروانے والوں کا محض تعارف کروانا کافی نہیں ہے۔ اس روایت کے متن کو بھی زیر نظر لانا ہوگا۔ ابن حزم نے اس حوالہ سے کچھ کام کیا ہے۔ اس کے بعد امام الذہبی نے اس کے متن کے حوالہ سے بات کی وہ فرماتے ہیں۔

حدیثه فی شان القبر بطوله فیه نکارة و غرابة..(سیر اعلام النبلاء)

اس کی قبر کے معاملہ سے متعلق طویل حدیث میں نکارت اور غرابت ہے۔

عود روح کی روایت پر امام الذہبی کا یہ چشم کشاہ اور مبنی برحقیقت تبصرہ ہے۔ اور اس روایت پر ایمان لانے والوں کے لئے تازیانہ، لہٰذا اس کا مدوا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

ذہبی نے میزان الاعتدال میں منہال کے ساتھ صحیح کی علامت لکھی ہے .....اس کے باوجود حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۵/ ۱۸۴) میں یہ عجیب وغریب بات لکھ دی ہے۔ **حدیثه فی شان القبر بطوله فیه نکارة و غرابة** یعنی اس کی عذاب القبر والی حدیث میں اجنبیت اور اوپراپن ہے۔ ذہبی کا یہ قول ان کی تعدیل کے مقابلے میں باطل ہے۔ (فتاوی علمیہ جلد ۱، صفحہ ۵۵۹, ۵۶۰)

اس زیر بحث روایت میں نکارت وغرابت موجود ہے۔ یہ بدیہی حقیقت ہے۔ نکارت اور غرابت، روایات سے متعلق اصطلاحات ہیں۔ بالعموم اصطلاحات کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ ان کا اصل مقصد اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے کہ انہیں ویسے ہی رکھا جائے جیسا کہ وہ ہیں۔ مگر چونکہ عود روح کی روایت سے متعلق یہ مبنی برحقیقت تبصرہ اس روایت کی بے تمکینی کو واضح کر رہا ہے اس وجہ سے اس روایت پر عقیدہ رکھنے والوں کے لیے یہ روح فرساں ہے۔ چنانچہ نکارت وغرابت کے اصطلاحی الفاظ کو ترجمہ کے پیراہن کے ذریعے ہلکا پھلکا کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ یہاں نکارت وغرابت کا ترجمہ اجنبیت اور اوپراپن کیا گیا ہے۔ موصوف زبیر علی زئی نے یہ ترجمہ کر کے گویا امام الذہبی کے اصل مقصد کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر جانتے ہیں کہ اصل الفاظ تو اپنی جگہ موجود ہیں اس طرح کی مشق سے چبھے ہوئے کانٹے کا مداوا نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا ساتھ ہی فرمایا کہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں منہال کے ترجمہ میں صحیح کی علامت لکھی ہے اور سیر اعلام النبلاء میں یہ عجیب وغریب بات لکھ دی ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ امام الذہبی نے جو اس روایت کی قلعی کھولی ہے وہ عجیب وغریب نہیں بلکہ زیر بحث عود روح کی یہ روایت ضرور عجیب وغریب ہے۔ اس کے عجیب وغریب ہونے کی نشاندہی امام الذہبی کر گئے ہیں۔ منہال سے متعلق صحیح کی علامت اور منہال کی روایت میں موجود نکارت وغرابت کا باہم مقابلہ اور موازنہ جو موصوف زبیر علی زئی نے فرمایا ہے وہ بھی علمی عجائب وغرائب اور نکارت میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ موصوف نے ان دونوں کا مقابلہ اور موازنہ کر کے بطور قاضی جو فیصلہ سنایا ہے وہ بھی خوب ہے فرماتے ہیں:

''ذہبی کا یہ قول ان کی تعدیل کے مقابلے میں باطل ہے''۔

جب قاضی جانب دار ہو، خود عود روح کا عقیدہ رکھتا ہو تو اس نے نکارت وغرابت کو باطل ٹھہرانا ہی تھا۔ صحیح

کی علامت کو علامت نہیں حقیقت قرار دینا ہی تھا۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ منہال کی خود عود روح کی روایت میں نکارت وغرابت ایک حقیقت ہے، اس کو صرف اسی صورت میں باطل ثابت کیا جا سکتا ہے جب اس روایت کو نکارت وغرابت سے پاک کر کے دکھا دیا جائے۔ اسکے علاوہ ساری کوششیں سعی نامراد رہیں گی۔ منہال کے نام کے ساتھ صحیح کی علامت اور اس کی کسی مخصوص روایت میں نکارت اور غرابت کا ہونا الگ الگ معاملات ہیں۔ ان کا باہم نہ کوئی مقابلہ ہے اور نہ موازنہ۔ زبیر علی زئی صاحب کی طرف سے اس کا مقابلہ کرنا ان کا مخصوص متعصب منہج ہے جو ان کے پیروکاروں کے علاوہ مشکل سے ہی کہیں ملے گا۔ اصول حدیث کی رو سے تو ثقہ راویوں کی روایات منکر بھی ہو سکتی ہیں اور ہوتی بھی ہیں۔ عموماً جس راوی کی مرویات میں غالب حصہ صحیح اور قلیل روایات منکر ہوں اسے ثقہ سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس روایت میں متکلم، مجروح، قیل قال والے شیعہ راویوں کا تفرد تو ہے ہی نتیجہ کے طور پر روایت میں نکارت غرابت بھی موجود ہے، جتنی طویل روایت اتنی ہی زیادہ نکارت اور غرابت اس میں موجود ہے۔ اس روایت کو قبولیت کا شرف دے کر عقیدہ استوار کیا گیا اور قرآن وحدیث کو چھوڑ دیا گیا۔ دو زندگیوں اور دو موتوں کے قانون الٰہی کے خلاف اس منفرد نکارت وغرابت سے بھرپور روایت کے تحت ہر انسان کے لیے تیسری زندگی مان لی گئی۔ اب یہی عقیدہ ہے، اسی کو دین کہا جا رہا ہے۔ قرآن وحدیث کی تشریح اب اس روایت کی روشنی میں کی جاتی ہے۔ یعنی پورے دین کو اس روایت کے پیچھے لگا دیا گیا، فیاللعجب۔ اس روایت کے متن کو دیکھنا زیر بحث لانا ضروری ہے۔ اس میں موجود غرابت ونکارت اور انفراد بہت سے ہیں مگر نمونہ کے طور پر ایک آدھ کو زیر بحث لا کر دیکھا جا سکتا ہے۔ روایت کے الفاظ ہیں:

> حتى ينتهى بها إلى السماء السابعة، فيقول الله عز وجل: اكتبوا كتاب عبدى فى عليين، وأعيدوه إلى الأرض: فإنى منها خلقتهم، وفيها أعيدهم، ومنها أخرجهم تارة أخرى قال: فتعاد روحه فى جسده.
>
> (مسند احمد، ابوداؤد)

یہاں تک کہ اسے ساتویں آسمان تک پہنچایا جاتا ہے۔ (اس کے بارے میں) اللہ عزوجل فرماتے ہیں: میرے بندے کے اعمال ناموں کو کتاب علیین میں لکھ دو اور اس کو دوبارہ زمین پر لے جاؤ کہ میں نے ان کو اسی سے پیدا کیا ہے اور اس میں انہیں دوبارہ لے جاؤں گا اور اسی سے دوسری بار انہیں نکالوں گا۔ آپؐ نے فرمایا، پس اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔

اس روایت کے مطابق روح جب ساتویں آسمان پر پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عبدی میرا بندہ کہہ کر اسے زمین کی طرف لے جانے کا حکم دیتا ہے ساتھ میں وجہ بھی بیان فرماتا ہے کہ انہیں میں نے مٹی سے پیدا کیا ہے اسی میں انہیں دوبارہ لے جاؤں گا اور اسی سے دوسری بار انہیں پیدا کروں گا۔ اور اس کے بعد روح جسد عنصری میں لوٹا دی جاتی ہے۔ روح کو واپس بھیجتے وقت اسے کہنا کہ میں نے انہیں مٹی سے پیدا کیا ہے کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر اس کے جواب میں کہا جائے یہ مخاطبت مرنے والے اور اس کے جسد عنصری سے متعلق ہے تو پھر روح کو واپس بھیجتے ہوئے یہ کہنا کہ انہیں دوبارہ مٹی میں لے جاؤں گا، اس کا کیا مقصد ہے؟۔ اس موقع پر روح کو لوٹانا کیا معنی؟۔ انسان کو مٹی سے تخلیق کیا مر کر مٹی ہو جاتا ہے۔ انسان کی روح تو مٹی سے نہیں۔ مادی و عنصری شے نہیں، رحم مادر میں پرورش پانے والے میں ایک مرحلہ پر فرشتہ آ کر روح پھونکتا ہے۔ اس سے اس کی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ موت کے وقت یہی روح فرشتے قبض کرتے ہیں اور اسے جسم سے نکال کر لے جاتے ہیں۔ اس سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، انسان بے حس اور بے شعور ہو جاتا ہے۔ یہ بے حس بے شعور لاشہ جلد یا بدیر سڑ گل کر مٹی کا حصہ ہو جاتا ہے۔ روح کی جسم میں موجودگی زندگی اور اس کا قبض اور اخراج موت ہے۔ روایت زیر بحث تو جسم، جسد عنصری کو مٹی میں لوٹنے کے لیے اس کے ساتھ روح کا لوٹنا لازم بتا رہی ہے۔ عملی زندگی میں جب تک روح اور جسم کا رشتہ باقی ہوتا ہے اس وقت تک اسے نہ مردہ سمجھا جاتا ہے اور نہ ہی مردے والے معاملات اس کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔ نہ غسل نہ کفن نہ تدفین۔ یہ سب تو روح کے نکل جانے کے بعد ہی ہوتے ہیں۔ منہال عن زاذان والی روایت کے مطابق انسان مر کر مٹی میں اس وقت ملتا ہے جب اس میں روح لوٹتی ہے۔ یہ عجیب و غریب دعویٰ ہے جو اس روایت میں اس منہال و زاذان کی جوڑی نے کیا ہے۔ پوری اسلامی تاریخ میں کوئی اور نہیں کر سکا۔ اس روایت کے مطابق روح مردہ جسم میں واپس لوٹ آتی ہے۔ اللہ کی کتاب کا مگر فیصلہ یہ ہے کہ مرنے والوں کے نفسوں کو روک لیا جاتا ہے۔ اس روایت پر ایمان و عقیدہ رکھنے والے اپنے عقیدے سے مجبور ہو کر روایت کے دفاع میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں، اس کو ماننے اور منوانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ مگر حیرت انگیز طور پر وہ طبقہ جو ان سطور میں مخاطب ہے خود بھی اس روایت کو پوری طرح نہیں مانتا ہے۔ روایت کے مطابق روح کو واپس بھیجا اور لوٹایا جاتا ہے کہ مٹی سے پیدا کیا مٹی میں واپس کر دیا گیا اور مٹی ہی سے دوسری بار اٹھایا جائے گا جبکہ یہ لوگ روح کی واپسی محض سوال و جواب کے لیے اور اسی قدر مانتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق اس کے بعد روح جسم میں نہیں ہوتی یعنی سوال و جواب کے بعد روح کا ایک اور قبض ایک اور اخراج ہوتا ہے۔ اب نہیں معلوم سوال و جواب کے بعد روح جب دوبارہ نکلتی ہے تو ملک الموت دوبارہ روح قبض کرنے آتا ہے یا نہیں۔ فرشتے اسے ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پھر سے پہلی مرتبہ کی طرح لے جاتے ہیں یا نہیں۔

روح کے دوبارہ جسم سے نکلنے پر حیات فی القبر کے موجودہ معتقدین خاموش رہتے ہیں اور اسے غیبی اور برزخی معاملہ قرار دے کر گلوخلاصی کی کوشش کرتے ہیں۔ حقیقت مگر کچھ اور ہی ہے۔ انکا جس روایت پر عقیدہ استوار ہے اس میں روح کا مستقل طور پر واپس لوٹ آنا مذکور ہے جبکہ یہ لوگ روح کا جسم سے دوبارہ نکلنا مانتے ہیں مگر ان کا یہ خودساختہ نظریہ ہے جس کی ان کے پاس کوئی نقلی دلیل موجود ہی نہیں۔ اس کی پردہ پوشی کے لیے اسے غیبی برزخی کہہ کر گویا جان چھڑاتے ہیں۔ حالانکہ موت کے وقت جب روح قبض کر کے نکالی جاتی ہے وہ بھی غیب ہی ہوتا ہے شہود نہیں تو پھر قبر میں دوبارہ روح کے قبض اور اخراج کو غیب اور برزخ کہہ کر کیوں گلوخلاصی کی جاتی ہے۔ اگر قبر میں روح لوٹ آنے کے بعد روح کا دوبارہ قبض اور اخراج ہوتا ہے تو واضح انداز میں اس کا اعلان ہونا چاہیے۔ عقیدے کا معاملہ ہے۔ قرآن وحدیث میں موجود ہر انسان کے لیے دو زندگیوں اور دو موتوں کے قانون الٰہی کے انکار کے لیے بھی یہی غیبی اور برزخی الفاظ کی ڈھال استعمال کرتے ہیں۔ کیسا عجیب وغریب رویہ ہے کہ جس روایت کے بل بوتے پر روحوں کا جسموں میں لوٹنا مانتے ہیں اس روایت کے خلاف یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ لوٹ آنے والی روحیں سوال وجواب کا معاملہ نمٹانے کے بعد دوبارہ جسموں سے نکل جاتی ہیں انکا جسد عنصری سے پھر اخراج ہو جاتا ہے۔ منہال عن زاذان والی زیر بحث روایت بغور دیکھ لیں اس میں لوٹ آنے والی روح مستقل طور پر واپس آتی ہے، دوبارہ نکلنے کا ذکر تو کجا اس کا شائبہ بھی اس میں نہیں۔ اس روایت کے متن کا مکمل تجزیہ ان سطور کا مقصود نہیں۔ مشتے از خروارے ایک مثال پیش کی ہے۔

روایت فتعاد روحه اور متقدمین:

منہال وزاذان کے بیان پر ایمان لانے والے اپنے عقیدہ وموقف کو درست بلکہ حق ثابت کرنے کے لیے جھوٹا دعویٰ بڑے ہی پرزور انداز میں کرتے رہتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ متقدمین ومتاخرین اور ہر دور کے علماء نے اس روایت کو صحیح مانا ہے اس کی تصحیح کی ہے وغیرہ۔ ان کے اس دعویٰ سے مردہ میں روح نہیں آسکتی کہ وہ زندہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کو پیدا فرمایا اور اس کے لیے ایک قانون مقرر فرما دیا ہے۔ منہال وزاذان کا فرمان اور لوگوں کا اس کو مان لینا اللہ کے قانون کو بدل نہیں سکتا۔ ساری دنیا اگر اللہ کے فرمان کے برعکس مردوں کا قبروں میں زندہ ہونا ماننے لگے تو اس سے قانون الٰہی پر کوئی فرق نہیں آئے گا ہاں اللہ کے فرمان اس کے قانون کا انکار کرنے والے ضرور اس کا خمیازہ بھگتیں گے۔ اصولی بات ہے کہ لوگوں کا ماننا یا نہ ماننا حق وناحق کا پیمانہ نہیں ہے۔ حق اس بات سے کبھی مشروط نہیں رہا کہ لوگ اس کا حق ہونا مانیں۔ ان کا دعویٰ کہ ہر دور میں متقدمین ومتاخرین نے اس کو صحیح مانا ہے۔ یہ بھی سراسر غلط ہے بلکہ گمراہ کن دعویٰ ہے۔ آج تک متقدمین میں سے کسی کا کوئی مستند حوالہ ان کی طرف سے

پیش ہی نہیں کیا گیا۔جس قدر عبارات اس تعلق سے پیش کی جاتی ہیں وہ سب متاخرین کی ہیں۔ابن مندہ (المتوفی ۳۹۵ ھ)، حاکم (المتوفی ۴۰۵ھ) البیہقی (المتوفی ۴۸۵ھ)،ابونعیم (المتوفی ۴۳۰ھ)، منذری (المتوفی ۶۵۶ھ) ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ)، ابن قیم (المتوفی ۷۵۱ھ) وغیرہم ان کے متقدمین ہیں، جس طرح کا ان کا عقیدہ ہے اس میں ان کے مقتدیٰ یہی ہو سکتے ہیں۔ ورنہ تو تیسری صدی ہجری کو متقدمین اور متاخرین کی حد فاصل بتایا گیا ہے (میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۴) یہ اور بات ہے ان کی طرف سے جو ان کے ہم عقیدہ گزرے ہیں وہ سب متقدمین قرار پاتے ہیں۔البیہقی تک متقدمین کو شمار کرنا بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔رہے کچھ دوسرے جنہوں نے البیہقی کو ان میں شمار کیا تو انہوں نے معیار کو مدنظر رکھا ہی نہیں۔دوسری چابک دستی کا مظاہرہ اس روایت کے حوالہ جات کا ڈھیر لگا کر کرتے ہیں۔ یہ فلاں فلاں کتاب میں موجود ہے، اسے فلاں فلاں مولفین نے درج کیا ہے۔اس سے نہ یہ روایت صحیح قرار پاتی ہے اور نہ یہ عقیدہ حق ٹھہرایا جاسکتا ہے۔یہ طفل تسلی ہے جو حواریوں کو مطمئن کرنے کی کاوش ہے۔ایک ہوشیاری یہ بھی دکھائی جاتی ہے کہ منہال وزاذان اس معاملہ میں منفرد نہیں ہیں۔ان کی متابعت دوسرے راویوں نے بھی کی ہے۔ حیات فی القبر کے دعوے دار زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں: المستدرک للحاکم (۱/۳۹) میں مختصر روایت میں ابو اسحاق السبیعی نے زاذان کی متابعت کر رکھی ہے، براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اسے عدی بن ثابت بھی بیان کرتے ہیں (کتاب الروح ص ۶۶) اس کا راوی عیسی بن المسیب جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ (فتاوی علمیہ جلد ا صفحہ ۵۵۶) فتاوی علمیہ کے مولف نے کمال ہوشیاری سے مختصر روایت میں عود روح کی متابعت کا دعویٰ کر ڈالا ہے، مگر یہ دعویٰ نہیں دھوکا ہے۔ براء بن عازب سے یہ روایت متعدد کتب میں موجود ہے جو ہر جگہ مختصر ہی ہے۔کسی میں بھی عودِ روح بیان نہیں ہوا۔بات اس روایت کی ہے جو زاذان ومنہال کی جوڑی نے طوالت کے ساتھ بیان کی ہے جس میں فتعاد روحہ فی جسدہ کے الفاظ ہیں۔ براء بن عازبؓ سے اس باب میں مختصر روایت جس میں عود روح کی بات موجود نہیں، اس کی تو بحث ہی نہیں ہے۔موصوف کی عادت ہے کہ اسی طرح نا موجود کو اپنے ذہن سے گھڑ کر موجود بناتے جاتے ہیں اور لوگوں کے سامنے پیش کرتے جاتے ہیں۔موصوف کے اس طرز عمل کی کچھ مثالیں کفایت اللہ سنابلی صاحب نے اپنی کتاب یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ صفحہ ۲۰۶، ۲۰۷ میں پیش کی ہیں، وہ دیکھ لیں موصوف کی دیانت علمی سامنے آجائے گی۔موصوف کی طرف سے پیش کیے گئے اس متابعت کے افسانے میں دوسرا دعویٰ براء بن عازبؓ سے اسے عدی بن ثابت کا روایت کرنا بھی ہے۔موصوف نے عدی بن ثابت کو پیش کیا ہے حالانکہ یہ بھی زاذان اور منہال کے قبیلہ سے ہی ہیں۔ یہ متفقہ طور پر غالی شیعہ رافضی تھے، شیعوں کی مسجد کے امام اور قصہ گو تھے۔متابعت کے اس جھوٹے دعوے کی قلعی کھولنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ موصوف اسے پیش کر کے خود

ہی اس کے ایک دوسرے راوی عیسی بن المسیب کو جمہور کے نزدیک ضعیف بتا چکے ہیں۔شاید کوئی اسے موصوف کی علمی دیانت سمجھے مگر ایسا نہیں ہے۔عیسی بن المسیب کا معاملہ کوئی راز نہیں۔اس موقع پر اس کے ضعف کا اعلان واظہار ضروری تھا۔اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسے حوالے کیوں دیے جارہے ہیں؟ اس کا جواب انتہائی سادہ ہے۔ان کے پاس اپنے عقیدہ عودروح، حیات فی القبر کے حق میں یہی کچھ موجود ہے۔قرآنی نصوص، قانون الٰہی کے خلاف اور صحیح احادیث کے برعکس عودروح، حیات فی القبر کا عقیدہ اس روایت، ان دلائل کی بنیاد پر ہی قائم ہے جسے انہوں نے اپنا عقیدہ بنالیا ہے۔متابعت وشواہد کی باتیں اور دعوے کیے تو جاتے ہیں مگر اس کو آج تک کسی متداول ومستند حدیث کی کتاب سے متصل وصحیح سند سے پیش ہی نہیں کیا گیا ہے۔پیش کریں بھی تو کیسے کریں ان کے پلے تو ابن قیم کی کتاب الروح ہے اور ابن قیم کے پاس ابن مندہ کی کتاب الروح تھی۔یہ روحوں پر کتابوں کا شاخسانہ ہے۔زبیر علی زئی صاحب نے کتاب الروح ابن قیم سے بھی اس کی متابعت پیش کی ہے۔جس کا حوالہ اوپر دیا جاچکا ہے۔حیات فی القبر کا ایک دوسرا مبلغ بنام ارشد کمال اس عقیدہ عودروح کو حق ثابت کرنے کے لیے، جابر بن یزید الجعفی کو اپنے حق میں لے آتا ہے۔جو مشہور کذاب، وضاع اور متروک شیعہ راوی ہے۔پھر اس کے ضعف کو بیان کر کے اپنی علمی دیانت کا ثبوت دینے کی کوشش بھی کرتا ہے۔کذاب روایت گھڑنے والے متروک شیعہ راوی کو محض ''ضعیف'' کہہ کر جس دیانت کا مظاہرہ کیا گیا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔اس کے علاوہ ان کے کھیسہ میں امام سیوطی ہیں جو ویسے تو سب سے زیادہ بریلویوں کے پسندیدہ ہیں۔حیات فی القبر کے معاملے میں ان کے بھی امام ہیں۔ان امام سیوطی کو زبیر علی زئی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے حاطب اللیل قرار دے چکے ہیں۔یوٹیوب پر مرزا جہلمی کے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے موصوف نے السیوطی سے متعلق یہ تبصرہ کیا ہے۔اس کے علاوہ دوسری جگہ بھی موصوف نے سیوطی کی شان افزائی فرمائی ہے۔بس یہی کچھ ثبوت روح کے لوٹنے کے ان کے پاس ہیں۔اس برتے پر اس کو امت کا اجماعی مسئلہ قرار دیتے ہیں (بحوالہ محدث میگزین) ماحصل یہ کہ منہال وزاذان کی جوڑی نے جسد میں روح لوٹائے جانے کا جو دعویٰ کیا ہے وہ ان کا اپنا باطل عقیدہ تھا جسے انہوں نے حدیث کی صورت میں پیش کر کے پھیلایا ہے، مردہ وقبر پرستی کے خوگروں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا پھر یہ ان کا اجماعی مسئلہ ٹھہرا۔

دفن کے بعد مردہ جسد میں روح کا لوٹ آنا، مردے کا احساس وشعور بحال ہوجانا، مردے کا سننا سنانا وغیرہ حیات فی القبر ہے۔یہ وہ عقیدہ ہے جس پر مردہ وقبر پرستی کی عمارت کھڑی ہے۔دین تصوف کی بنیادوں میں یہ موجود ہے۔شرک کی سب سے زیادہ اقسام کے سوتے اسی سے پھوٹے ہیں۔بے شمار گمراہیاں اس کی مرہون منت ہیں۔اور خود اس کی بنیاد منہال وزاذان پر قائم ہے۔یہ استاد شاگرد کس پائے کے تھے اس کا کچھ بیان ہو چکا مزید کی فی الحال

ضرورت نہیں۔ چونکہ اس روایت کو قبول کر لیا گیا تو مرنے کے بعد کے معاملات کو اسی کی روشنی میں دیکھا گیا، عذاب وراحت قبر کی تشریح تفسیر اور توضیح اسی کے مطابق کی گئی۔ قرآن وحدیث کو چھوڑ کر اس ایک منکر وموضوع روایت کے مطابق عقیدہ بنا لیا گیا۔ قرآنی نصوص کی تاویلات کر لی گئیں مگر اس منکر وموضوع روایت کو اس کے ظاہر پر ہی رکھا گیا اور ظاہر پر ہی لیا گیا۔ یہ ایک المیہ ہے کہ منکر روایت کو ظاہر پر رکھا گیا ہے اور قرآن کی اور صحیح احادیث کی تاویل کر لی گئی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ قرآن کو اس کے ظاہر پر رکھ کر روایت کی تاویل کی جاتی۔ قرآن کے الفاظ محفوظ اور روایت کے الفاظ زاذان اور منہال کے مرہون منت ہیں، جس میں تفرد، غرابت اور نکارت موجود ہے۔ قرآن کے الفاظ کو چھوڑ کر روایت کے الفاظ کو عقیدہ وایمان کا حصہ بنا لیا گیا۔ عذاب قبر سے متعلق کسی بھی صحیح حدیث میں روح کے جسم میں لوٹ آنے، مردہ زندہ ہو جانے کا نہیں آیا ہے۔ مگر پھر بھی بعض صحیح روایات کی تشریح وتفسیر روح لوٹ آنے والی منکر روایت کو اصل بنا کر اس کے مطابق کی جاتی ہے۔ عود روح کی اس روایت کی وجہ سے عذاب قبر سے متعلق ہر ہر روایت مردوں کے زندہ ہو جانے کی دلیل قرار دے لی گئی ہے۔ اس کو پیہم پیش کیا گیا لگا تار دہرایا گیا، چنانچہ اب یہی عقیدہ اصل مانا جاتا ہے، رہا قرآنی نصوص اور صحیح احادیث کا بیان تو وہ اجنبی ہو کر رہ گیا۔ اللہ کا صد ہزار شکر اور احسان کہ قرآن وحدیث موجود ہے اور رہے گا۔ ان کے ذریعے باطل کا ابطال اور حق کا احقاق ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ حیات وسماع فی القبر کے قائلین اپنے عقیدے کے حق میں عذاب قبر سے تعلق رکھنے والی احادیث لاتے ہیں۔ ان کا اصرار ہے کہ ان سے جسد عنصری کی حیات بھی ثابت ہوتی ہے اور سماع بھی۔ حقیقت مگر یہ نہیں ہے۔ عذاب قبر کی صحیح احادیث میں سے کسی ایک روایت میں بھی روح لوٹائے جانے کا ذکر نہیں۔ بغیر روح کے جسد عنصری میں حیات وسماع کا دعویٰ کرنا نری حماقت ہے۔ جسد عنصری میں زندگی روح کے جسم میں آنے سے شروع ہوتی ہے۔ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو مٹی سے ان کا پتلا بنایا۔ پھر ان میں روح پھونکی تو وہ جیتا جاگتا انسان ہو گئے۔ رحم مادر میں بھی اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ بچے میں روح پھونکتا ہے تو زندگی شروع ہوتی ہے۔ موت کے وقت یہی روح قبض کی جاتی اور نکال کر لے جائی جاتی ہے۔ انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ جسد عنصری کی زندگی روح کے ساتھ مشروط ہے۔ تب ہی قرآنی نصوص کے خلاف موت کے بعد روح لوٹ آنے پر عقیدہ ہے۔ حالانکہ اس کے لیے ان کے پاس منہال عن زاذان کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کی بات عقیدے میں قابل قبول ہو ہی نہیں سکتی۔ ان کی مجبوری نہ ہو تو شاید یہ خود بھی ان کو اس لائق نہ سمجھیں۔ موت کے بعد قیامت سے قبل جسموں میں روحوں کے لوٹ آنے کا عقیدہ انتہائی درجہ کا گمراہ کن اور مشرکانہ بلکہ شرک کی جڑ ہے۔ بغیر روح کے جسم جماد کی مثل ہے۔ سننا سنانا احساس وشعور وغیرہ بے روح جسد کے لیے نہیں۔ پھر بھی عذاب قبر سے متعلق روایات سے حیات وسماع فی القبر کا اثبات واقرار کیا جاتا ہے۔

سب سے زیادہ مشق ستم بخاری کی روایت ''یسمع قرع نعالھم'' پر کیا جاتا ہے، روایت اس طرح ہے:

العبد إذا وضع فی قبرہ وتولی وذھب أصحابہ حتی إنہ لیسمع قرع نعالھم، أتاہ ملکان فأقعداہ فیقولان لہ: ما کنت تقول فی ھذا الرجل محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟ فیقول: أشھد أنہ عبد اللہ ورسولہ، فیقال: انظر إلی مقعدك من النار أبدلك اللہ بہ مقعدا من الجنۃ، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: فیراھما جمیعا، وأما الکافر أو المنافق فیقول: لا أدری کنت أقول ما یقول الناس، فیقال: لا دریت ولا تلیت، ثم یضرب بمطرقۃ من حدید ضربۃ بین أذنیہ فیصیح صیحۃ یسمعھا من یلیہ إلا الثقلین (بخاری)

اس حدیث کی تشریح وتفسیر استاذ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ایمان خالص دوسری قسط صفحہ ۳۰ میں پیش کر چکے ہیں۔ اسے وہاں دیکھا جاسکتا ہے یہاں نقل کرنا طوالت کا سبب ہوگا۔ یہاں تو اس پر جو کلام کیا گیا اس کو ہی زیر بحث لایا جائے گا۔ اس موقع پر اس بات کی یاددہانی ضروری ہے کہ اس روایت میں جسد عنصری میں روح کے لوٹائے جانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ منہال وزاذان کے بیان کی روشنی میں اس کی تشریح کرنا ظلم ہے۔ اس میں جو بات بھی بیان ہوئی ہے وہ بے روح جسم سے متعلق ہے۔ حیات وسماع فی القبر کے قائلین اسے اپنے حق میں لیتے ہیں تو کیا وہ اسے بے روح سمجھتے ہیں؟ نہیں! بے روح جسم، بغیر روح کے تعلق کے کوئی بھی حیات وسماع کا قائل نہ گزرا ہے اور نہ عصر حاضر میں کوئی ہے۔ روح کے لوٹ آنے کی کوئی ایک بھی صحیح موصول مستند روایت موجود ہی نہیں۔ پھر اس روایت کی توجیہ عود روح کے ساتھ کرنے کی کوئی بنیاد نہیں۔ بنا بریں بے روح جسد کو بٹھایا جانا سوال و جواب کا کیا جانا عذاب وراحت کے معاملہ کا بتایا جانا وغیرہ اصل میں عالم برزخ کے ٹھکانے پر بیتنے والے احوال سے آگاہ کرنے کا انداز ہے۔ یہ سب کنایہ کے زمرے میں ہے۔ اس روایت کی توجیہات میں سب سے نمایاں توجیہ اور تشریح یہی تو ہے کہ مردہ کا معاملہ اتنی جلدی شروع ہوجاتا ہے کہ دفنانے والے ابھی گئے بھی نہیں ہوتے ہیں کہ سوال وجواب شروع ہوجاتے ہیں۔ اس میں یہی تعلیم ہے۔ دوسری تشریح جو حیات وسماع فی القبر کے قائل لوگ کرتے ہیں وہ قرآن کی نصوص کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ من گھڑت منکر روایت کی بنا پر ہونے کی وجہ سے باطل اور مردود ہے۔ یہ ان کا عقیدہ ہی تو ہے جو انہیں اس روایت کی تشریح منہال وزاذان کی روایت کے زیر اثر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ دوسرا طریقہ قرآن کی آیات کی روشنی میں اس کی تشریح ہے جو علماء کی طرف سے کی گئی ہے۔ حیرت اور افسوس کہ اہل حدیث کہلانے والے اپنے عقیدے حیات وسماع فی القبر کو ثابت کرتے وقت بریلوی طرز استدلال اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر جب موقع بریلویوں کو جواب دینے کا ہو تو پھر اس کے برعکس قرآن وحدیث کے دلائل انہیں یاد

آنے لگتے ہیں۔ یہ فرقہ ایک طرف حدیث قرع نعال کو حیات وسماع فی القبر کی دلیل بناتا ہے اور دوسری طرف اپنے مخالفین کو جواب دیتے ہیں ''بعض علما نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ فرشتوں کے جلدی آنے سے کنایہ ہے یعنی حدیث میں سماع موتی بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ فرشتوں کا فوراً آنا بیان کرنا مقصود ہے کہ ابھی دفن کرنے والے واپس لوٹتے ہی ہیں اور ان کی آواز بھی سنائی دے رہی ہوتی ہے کہ فرشتے آجاتے ہیں'' (المسند فی عذاب القبر، تالیف محمد ارشد کمال صفحہ ۲۳۳) اس کتاب کے مولف اہل حدیث ارشد کمال حیات وسماع فی القبر کے زبردست مبلغ ہیں، اسی عقیدے کے اثبات وترویج کے لیے یہ کتاب تالیف کی ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے ممدوح اپنے شیخ خاور رشید بٹ کا مضمون شامل کیا ہے یہ شذرہ اس میں سے چنیدہ ہے۔ اس حوالہ اور عبارت کو یہاں پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ یہ لوگ جب حیات وسماع فی القبر کو ثابت کرنے پر لگتے ہیں تو حدیث قرع نعال کی کنایہ والی تشریح انہیں غیر علمی لگتی ہے اور ساتھ میں انہیں اس میں سو عیب نظر آتے ہیں۔ مگر یہاں دیکھا جاسکتا ہے کہ بریلوی، دیوبندی کے رد میں یہی کنایہ معتبر اور قابل استدلال بھی ہو گیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حدیث قرع نعال کو منہال وزاذان کی روایت کے اثر سے باہر نکالا جائے تو یہی معنی ومفہوم نکلتا ہے جو اس تحریر میں پیش کیا جارہا ہے۔ یہ روایت کنایۃً ہے۔ قرآنی نصوص تو اس پر دلالت کر ہی رہی ہیں۔ خود روایت میں اس پر قرینہ موجود ہے کہ جسد عنصری بے روح ہے۔ جسم کا سننا، سنانا، جواب دینا، احساس وشعور وغیرہ روح کی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔ روح کے اخراج سے یہ سب صفات ناپید ہو جاتی ہیں۔ ارشد کمال کی کتاب کا حوالہ کافی تھا کیونکہ موصوف حیات وسماع فی القبر کے بڑے ہی متشدد مبلغ ہیں۔ محولہ کتاب بھی اس طرز عمل کا شاخسانہ ہے۔ چونکہ ان کی اور ان کے اسلاف کی پیہم کوششوں سے یہ عقیدہ بڑی گہری جڑیں رکھتا ہے۔ عود روح کی روایت کے بعد ان کا زورِ استدلال اسی قرع نعال والی روایت پر ہوتا ہے۔ اس کے ظاہر کو اپنے عقیدے پر فٹ کرتے ہیں۔ معتقد عوام کو باور کراتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ سے ہٹ کر اس کی تشریح کی گئی ہے۔ اس بنا پر مزید ایک حوالہ پیش کرنا مناسب ہے۔ اسی مسلک، اس فرقہ کے روح رواں خواجہ محمد قاسم کی کتاب کے چند اقتباس پیش خدمت ہیں:

> ''بعض علماء نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اس سے مراد سرعت اتیان ملائکہ ہے۔ یعنی فرشتے اتنی جلدی آپہنچتے ہیں کہ ابھی لوگ زیادہ دور نہیں گئے ہوتے۔ اگر یہاں حقیقی معنی لیے جائیں تو اسے اس وقت کے ساتھ مخصوص سمجھنا چاہیے کیونکہ قرآن پاک سے نصاً ثابت ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ میت کے لیے قدموں کی واپسی کی آواز اپنے اندر یہ عبرتناک حکمت لیے ہوئے ہے کہ ہائے اس بے چارے کو یکہ وتنہا چھوڑ کر سب چلے گئے۔ اتنا خیال رہنا چاہیے کہ اس سماع کا مردے کے دفن شدہ جسم سے کوئی تعلق نہیں

جیسا کہ اکثر اہل دیوبند کا خیال ہے۔ ورنہ پھر اس کو بٹھانے قبر کو کشادہ کرنے یا پسلیوں کے آر پار ہونے ننانویں سانپوں کے ڈسنے اور عذاب وثواب کے دیگر احوال کو بھی جسمانی حقیقت پر محمول کرنا پڑے گا مگر اس کا قائل ہونا مشکل ہے۔ روزمرہ کا تجربہ اس کی تغلیط کرتا ہے۔''

(قبر پرستی اور سماع موتی صفحہ ۷۲، مصنف محمد قاسم خواجہ)

اس عبارت میں خواجہ صاحب نے بڑی معصومیت سے مردے کے سننے کے عقیدے کو اکثر اہل دیوبند کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ سادگی نہیں پرکاری ہے۔ ان کا اپنا ہم مسلک فرقہ اہل حدیث اسکا سب سے بڑا مبلغ ہے، یہاں اس عقیدے کی جو خدمت ان کے مسلک نے کی ہے وہ شاید کسی نے نہیں کی ہے۔ دوسری بات موصوف نے اپنے مسلک کی دلجوئی کے لیے جو لکھا ہے:

''اگر یہاں حقیقی معنی لیے جائیں تو اسے اس وقت کے ساتھ مخصوص سمجھنا چاہیے کیونکہ قرآن پاک سے نصاً ثابت ہے کہ مردے نہیں سنتے''۔ موصوف کی یہ بات بھی درست نہیں کہ مرنے والے زندہ لوگوں کے جوتوں کی چاپ دوسرے جسموں کے ساتھ کسی مخصوص وقت میں سنتے ہیں۔ مرنے والوں کے پیچھے قیامت تک ایک برزخ، آڑ حائل ہے۔ اس برزخ کو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے اسے کوئی کراس نہیں کرسکتا اور نہ عبور کرسکتا ہے۔ قرآن کے اٹل فیصلہ کے مقابلہ میں دوسری کوئی بات قابل اعتناء ہی نہیں۔ یہ ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ خواجہ صاحب خود اس کا اقرار اور التزام کر چکے ہیں، لکھتے ہیں:

''یہ ساری مصیبت اس لیے کھڑی ہوئی ہے کہ برزخی احوال کے بارے میں بیان شدہ احادیث کو دنیوی احوال پر منطبق کرلیا گیا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا قرآن حکیم کی محکم آیات کو اصل قرار دے کر صحیح احادیث کی تعبیر ان کے مطابق کی جاتی۔ مگر ہوا یہ کہ حدیثوں کو غلط رنگ دے کر قرآنی آیات کی تاویل کر ڈالی گئی اور اس سلسلہ میں صحیح اور ضعیف تک کا امتیاز نہ کیا گیا۔ یہ صرف اس لیے کہ مردوں کو زندہ کیا جاسکے۔ چاہے ایمان کی موت ہی واقع ہوجائے۔ مردوں کو زندہ کرنے والے قیامت سے قبل قیامت ڈھا دیتے ہیں۔'' (قبر پرستی اور سماع موتی صفحہ ۸۹، مصنف محمد قاسم خواجہ)

خواجہ صاحب نے ان سطور میں وہی بات کردی ہے جسے اس تحریر میں پیش کیا جارہا ہے۔ عذاب قبر سے متعلق احادیث کو قرآنی نصوص کی روشنی میں سمجھا جائے نہ کہ منہال وزاذان کے بیان کے تناظر میں۔ خواجہ صاحب مردوں کو زندہ کرنے کی کوشش کو ایمان کی موت بھی بتا گئے ہیں۔ اور یہ ایسا عقیدہ ہے کہ قیامت سے پہلے مرنے والے زندہ سمجھے جائیں تو قیامت سے قبل قیامت ڈھانا ہے۔

حدیث قرع نعال کو حیات وسماع فی القبر کا عقیدہ رکھنے والے اپنے حق میں بڑا مضبوط سہارا سمجھتے ہیں۔ قرآن وحدیث کی رو سے مردہ قیامت تک مردہ ہے قیامت کے دن ہی زندہ کر کے اٹھایا جانا ہے۔اس کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں ہے بس اپنے بڑوں کی پیروی اور تقلید میں تاویلات کا سہارا لیتے ہیں۔مردوں کا زندہ ہونا، سننا سنانا وغیرہ کو برزخی اور غیبی امور کہہ کر باور کرایا جاتا ہے کہ یہ قرآن کی محکم آیات کے خلاف نہیں ہے۔یہ احمقانہ کوشش ہے۔ قرآن مجید میں جنہیں ''اموات غیر احیاء'' بتایا ہوان میں روحوں کا لوٹنا زندہ ہوجانا، ان کے سننے سنانے اور احساس وشعور کو غیبی یا برزخی کہا جائے یا کوئی اور نام دے لیا جائے اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، یہ قرآن کے خلاف ہی رہے گا۔قرآن مجید میں جسد عنصری کو بے جان میت بے شعور مردہ بتادیا گیا ہے۔زندگی، احساس وشعور کی نفی کردی گئی ہے، اسی میں زندگی، سننا سنانا اور احساس وشعور ماننا قرآن کی صریح تکذیب ہے۔جسد عنصری کی زندگی کو یہ غیبی اور برزخی کہتے ضرور ہیں مگر مانتے یہ خود بھی نہیں۔یہ تو انکا اپنے معتقدوں کو مطمئن کرنے کا حربہ ہے۔ان کے اپنے عقیدے کے مطابق مرنے والے اپنے دنیاوی جسم، جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں پہنچ جاتے ہیں۔اس کی آخرت شروع ہوجاتی ہے۔اس کے ساتھ جو بھی معاملات پیش آتے ہیں وہ سب غیبی امور ہوتے ہیں یعنی وہ عالم غیب میں ہوتا ہے۔ایک طرف یہ سب کچھ کہنا ہے تو دوسری طرف عالم برزخ، عالم بالا، عالم غیب اور آخرت میں یہی مردہ دنیا میں دفنا کر جانے والوں کی چاپیں سنتا ہے۔زیارت کے لیے آنے والوں کا سلام سنتا ہے جواب دیتا ہے، زائر کو پہچان لیتا ہے۔قبر پر موجود لوگوں سے مانوس ہوتا ہے، ان سے انسیت حاصل کر کے فرشتوں کے سوالوں کے جواب میں آسانی اور سہولت پاتا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔معلوم ہوا برزخ کا پردہ اور آڑ کوئی پردہ اور آڑ نہیں۔عالم برزخ، عالم بالا، عالم غیب اور آخرت میں موجود مردے دنیا والوں کے ساتھ رابطہ میں رہتے ہیں۔اس طرح گویا برزخ میں نقب لگائی گئی، غیب پر کمند ڈالی گئی ہے۔اس طرح مردے آخرت کی پہلی منزل سے عالم دنیا سے متعلق بھی ہوگئے اور رابطہ میں بھی آگئے۔برزخ اور آخرت وغیرہ مردوں کے لیے خاص معاملات نہ رہے کیونکہ وہ برزخ کے پار عالم دنیا سے رابطہ اور تعلق میں آچکے، جبکہ دنیا میں موجود زندہ لوگوں کے لئے برزخ وغیب حائل، آخرت کی دوری موجود رہتی ہے۔برزخ جو خاص مردوں کے لیے تھی ان کے لیے تو نہ رہی زندوں کے لیے ہورہی۔تب ہی زندہ لوگ مردوں کی نہ کچھ سن سکتے ہیں نہ جان سکتے ہیں۔برزخ مردوں کے لیے حائل ہوتی ہے وہ زندوں کی آوازیں سنتے، مانوس ہوتے ہیں، زائر کو پہچان لیتے ہیں۔ان کے لیے یہ برزخ نہ آڑ، نہ پردے کا کام کرپاتی ہے نہ رکاوٹ بن پاتی ہے۔حدیث قرع نعال سے سماع موتی پر استدلال اسی صورت میں ممکن ہے کہ عالم برزخ، عالم بالا کا عالم دنیا سے رابطہ مانا جائے۔ مگر یہ ممکن نہیں۔برزخ تو وہ آڑ وہ رکاوٹ ہے جو دو چیزوں کو ملنے نہ دے۔یہ برزخ اللہ نے قائم کی ہے اور قیامت

تک کے لیے ہے۔اس میں یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں کچھ بھی ممکن نہیں۔عالم دنیا میں جو مرتا ہے وہ ضرور عالم برزخ پہنچتا ہے۔عالم برزخ جسد عنصری نہیں جاتا مرنے والے کی روح کو جسم سے قبض کیا جاتا ہے اور نکال کر لے جایا جاتا ہے، روح اپنے پورے تشخص کے ساتھ عالم برزخ جاتی ہے۔وہیں اس کے ساتھ سارے معاملات گزرتے ہیں۔زندوں کی آوازوں کا عالم برزخ پہنچنا درحقیقت برزخ میں نقب لگانا، اس پردے کو چاک کرنا ہے۔اللہ کی قائم کردہ آڑ کو کوئی توڑ سکتا ہے نہ ہی عبور کرسکتا ہے اور نہ ہی اس کے حائل کردہ پردے کو کوئی چاک کرسکتا ہے۔کیسا عجیب عقیدہ ہے عالم دنیا اور عالم برزخ میں اتصال کا۔مگر یہاں بھی چابک دستی دکھائی گئی ہے مردہ تو مرے پیچھے زندوں کی سنتا بھی ہے، ان سے مانوس بھی ہوتا ہے، قبر پر آنے والے زائر کو پہچان بھی لیتا ہے، ان کے سلام کو سن کر جواب بھی دیتا ہے۔زندہ جن میں سننے سمجھنے، احساس وشعور اور دیگر صفات موجود ہوتی ہیں۔وہ مردے کے جواب سے اور اس کے معاملات سے قطعاً بے بہرہ رہتے ہیں۔یعنی یہاں زندوں کے لئے برزخ اپنے حقیقی کردار کے ساتھ حائل اور موجود ہوتی ہے۔زندوں کے لیے برزخ آڑ اور پردہ ہوجاتی ہے، زندوں کے لیے مردہ عالم برزخ عالم غیب اور آخرت سے متعلق ہوجاتا ہے۔زندوں کے لیے برزخ غیب آخرت اپنے حقیقی معنوں میں، اور مردوں کے لیے یہی سب کچھ مگر غیر حقیقی اور غیر موثر قرار پاتا ہے۔اس بے تکے نظریہ کی بے ثباتی دور کرنے کے لیے اللہ کی قدرت، اور ان اللہ یسمع من یشاء کو پیش کرتے ہیں۔اللہ کی قدرت کی تو کوئی حد ہی نہیں۔پوری کائنات اس کا مظہر ہے۔طاقتور ترین شخص مرتا ضرور ہے، مرنے پر بے جان بے حس ہوجاتا ہے، سننے دیکھنے سے محروم ہوجاتا ہے۔یہ اللہ کی قدرت ہی ہے۔اللہ تو مرنے والے کی ہر قسم کی طاقت سلب کرلیتا ہے، ہر اہلیت سے محروم، سننے سنانے سے روک دیتا ہے۔جس چیز سے اللہ روک دیتا ہے جس چیز سے محروم کردیتا ہے اللہ کی قدرت کا نام لے کر اسی کو ماننا اور منوانا شروع کردیتے ہیں۔اللہ نے اپنی قدرت سے جس نظام کو جاری کیا ہے اس کا انکار اللہ کی قدرت کا نام لے کر کرتے ہیں۔العیاذ باللہ۔قرآن کریم کے مطابق مردے نہیں سنتے، سنانا سنانا زندوں کے لیے ہے۔یہ اللہ کا قانون ہے اسی نے اسے جاری کیا ہے۔چونکہ عقیدہ اس کے برعکس ہے، کہا جاتا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے سناتا ہے۔بلاشبہ اللہ جس کو چاہتا ہے سناتا ہے سنا سکتا ہے۔وہ قادر مطلق ہے۔مگر مردوں کے لیے اس نے قانون یہی نافذ کیا ہے کہ وہ نہیں سنتے۔اللہ ہی ہے جو زندہ لوگوں کو سناتا ہے۔زندوں کا سننا اللہ کے قانون کے مطابق ہے تو مردوں کے سننے کا عقیدہ اللہ کے قانون کے خلاف، مردوں کے نہ سننے کا قانون بھی اللہ ہی کا ہے۔اللہ جس کو چاہتا ہے سناتا ہے یہ اس کی قدرت کاملہ کا بیان ہے۔یہ اس لیے تو نہیں کہ اللہ کے قانون کو اس کی قدرت کے مقابل لایا جائے، ایسا طرز عمل صریح گمراہی ہے۔اس طرح کے حربوں سے حیات وسماع فی القبر کا عقیدہ حق ثابت نہیں ہوتا۔بالعموم سماع موتی کی بہت سی صورتیں مانی جاتی ہیں۔تحقیق پسند بعض لوگ

اپنے بڑوں کے عمومی عقیدہ کی حمایت تو نہیں کرتے مگر مخصوص وقت اور خاص مواقع پر مردوں کے سننے کے قائل ہیں، مخصوص اوقات میں وہ روحوں کے لوٹ آنے مردوں کے زندہ ہوجانے کے قائل ہیں۔ وہ اسے قانون الٰہی میں استثناء قرار دیتے ہیں۔ یہ خود ساختہ استثناء اور باطل توجیہ ہے۔ پورے قرآن وحدیث میں اس کا ذکر تک نہیں ہے۔ خود سے گھڑ لیا گیا ہے۔ یہ بڑی جرأت اور جسارت ہے۔ موت وحیات ہر دو کا قانون ونظام اللہ کا تخلیق کردہ ہے۔ لوگوں کے دعووں سے اس میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ اس طرح کی توجیہات سے غلط کو صحیح اور ناحق کو حق میں نہیں بدلا جاسکتا۔ مرنے کے بعد انسان اپنے جسم، جسد عنصری کے ساتھ قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ مردوں کا قیامت سے قبل زندہ ہونے سننے سنانے کو استثناء باور کرانا احمقانہ کوشش ہے۔ سارے مردے جب زندہ سمجھے جائیں اور انہیں سننے والا بھی مانا جائے تو یہ استثناء نہیں بلکہ مستقل قانون اور ضابطہ ہی ہوگا، قرآن میں مذکور چند واقعات، حدیث میں قلیب بدر کا واقعہ معجزہ، خرق عادت، استثنائی صورتیں ہیں۔ اگر ہر مرنے والے سے متعلق ایسا مانا جائے تو نہ معجزہ، معجزہ رہتا ہے، نہ خرق عادت، خرق عادت، نہ ہی یہ استثناء ہو سکے گا۔ مخصوص وقت میں بھی اگر ہر مردے کو زندوں کی آوازیں سننے والا مانا جاتا ہے تو یہ استثناء نہیں کیونکہ موضوع اور مضمون وقت نہیں مردوں کا، سننا سماع موتی ہے، قرآن میں مردوں کے سننے کی نفی وقت کے لحاظ سے نہیں مطلق ہے، اس کو وقت کے ساتھ نتھی کر کے اس کے جواز کے فتوے دینا لاحاصل کوشش ہے۔ جوتوں کی چاپ سننے والی اس حدیث کی ایک اور تشریح بھی موجود ہے جسے صحیح بخاری کے شارح ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے سب سے پہلے پیش کیا ہے۔ اس کے مطابق اس سے مراد فرشتوں کی چاپ ہے، دفن کر کے جانے والوں کی نہیں۔۔۔

مردوں میں روح لوٹ آنے، زندہ ہونے، احساس وشعور ہونے کی قرآن وحدیث میں کوئی ایک بھی صحیح و صریح دلیل موجود نہیں۔ پھر بھی بالعموم تمام فرقوں کا یہی عقیدہ ہے۔ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور دوسروں کو ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ منکر وموضوع روایات ان کا کل سرمایہ ہے، یا پھر ان کا دوسرا انچھر عذاب قبر کے معاملہ سے متعلق آنے والی روایات کو غلط طور پر استدلال کرتے ہوئے استعمال کرنا ہے۔ عذاب قبر سے متعلق صحیح روایات تو چند ہی ہیں مگر اس ضمن میں ان کی طرف سے رطب ویابس سے بھرپور روایات کا ڈھیر لگا دیا گیا ہے۔ اس رطب ویابس کے انبار کو حیات وسماع فی القبر کے حق ہونے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ ایک واقعہ کی بہت سی اسناد ان کے نزدیک بہت سی حدیثیں، بہت سے واقعات ہیں۔ ان کو الگ الگ واقعات باور کرانے کی وجہ اپنے حق میں زیادہ سے زیادہ دلائل کا ڈھیر لگانا ہے۔ روایات میں الفاظ کا اختلاف، تقدیم وتاخیر، تقصیر اور تقطیع اکثر وبیشتر روایان وناقلین حدیث کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس سے ایک واقعہ، ایک حدیث کئی واقعات کئی حدیثیں نہیں ہوجاتیں۔ ان کو اسناد کے لحاظ سے متعدد

حدیثیں کہا بھی جاتا ہے مگر حکماً وہ ایک ہی حدیث ہوتی ہے۔ایک واقعہ،ایک معاملہ سے متعلق جملہ روایات کو جمع و یکجا کر کے ہی مسئلہ کی نوعیت واضح ہوتی ہے۔کسی روایت سے انفرادی طور سے حکم اخذ کرنا ظلم ہے جبکہ اس سے متعلق دوسری روایات بھی موجود ہوں۔اہل حدیث فرقہ کا وتیرہ مگر یہ ہے کہ ہر ایک روایت کو انفرادی طور سے مذہب قرار دے لیتے ہیں۔جیسے مسلم کی روایت: **إن الميت إذا وضع في قبره، إنه ليسمع خفق نعالهم إذا انصرفوا** (صحیح مسلم حدیث نمبر ۷۲۱۷)اس روایت کو سماع موتی کے عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے لاتے ہیں۔دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ اس میں فرشتوں کے آنے کا ذکر موجود ہی نہیں ہے،اس وجہ سے برزخ میں فرشتوں کی چاپ سننا مراد لیا ہی نہیں جا سکتا۔یہ عجیب وغریب استدلال ہے۔اس روایت میں ذکر نہیں تو اس سے کیا فرق واقع ہوتا ہے۔دوسری روایات میں تو موجود ہے۔روایت حدیث میں کثرت سے ہوتا ہے کہ حدیث کو بعض راوی مختصر بیان کرتے ہیں کچھ حصہ چھوڑ دیتے ہیں اور دوسرے راوی اس حدیث کو مکمل بیان کرتے ہیں۔یعنی متن حدیث میں کمی بیشی راویوں اور ناقلین کی طرف سے ہوتی ہے۔اس روایت میں پوری بات بیان نہیں ہوئی تو دوسری میں تو موجود ہے،اس کو ساتھ میں لیا جائے گا،مختصر روایت کی تشریح مطول سے،مجمل روایت کی مفسر سے ہی ہوتی ہے۔انفراداً مختصر روایت سے عقیدہ کشید کرنا ان کا مسلک و مذہب تو ہو سکتا ہے علماء و محدثین کا نہیں۔اس روایت سے سماع موتی پر استدلال کرنے والے یہ واضح نہیں کرتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں یا پھر وہ جو دیگر روایات میں نقل ہوئے ہیں۔دونوں میں واضح فرق ہے۔یہ فرق راویوں کی طرف سے ہے۔یہ الگ بحث ہے کہ کس نے کس سے کیا الفاظ نقل کیے ہیں،اس سے قطع نظر راویوں کے بیان میں جو فرق ہے اس سے سماع موتی کا عقیدہ کشید کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کے پاس نہ تو قرآن کی کوئی نص ہے اور نہ ہی کوئی صحیح حدیث۔

عذاب قبر سے متعلق رطب و یابس:

عذاب قبر سے متعلق روایات کا انبار لگانے کا مقصد تو ظاہر ہے کہ جسد عنصری پر اسی زمین میں قبر والے مقام پر عذاب و راحت ثابت کیا جائے،تاکہ مردوں میں حیات و سماع ثابت ہو سکے۔حقیقت مگر یہ ہے کہ یہ انبار،یہ ڈھیر رطب و یابس کا طومار ہے۔بلاشبہ مرنے کے بعد قیامت سے قبل ہر مرنے والے کے لیے آزمائش ہے،عذاب یا راحت ہے۔یہ آزمائش،یہ عذاب یا راحت ہر مرنے والے کے لیے ہے۔یعنی جو بھی مرتا ہے،جسے بھی موت آتی ہے وہ اس مرحلے سے ضرور بالضرور گزرتا ہے۔یہ آزمائش مرنے کے ساتھ مشروط ہے،دنیا میں قبر میں دفنانے کیساتھ نہیں۔مرنے والا قبر میں دفن کیا جائے یا نہ کیا جائے،اسے اس مرحلے سے ضرور گزرنا ہے۔یہ آزمائش کا مرحلہ،سوال و جواب،عذاب و راحت کا معاملہ وہاں ہوتا ہے جہاں ہر مرنے والا پہنچتا ہے خواہ موت کہیں بھی آئی ہو،کسی بھی طریقہ

سے واقع ہوئی ہو سب نے مرنے کے بعد اپنے مقام پر پہنچنا ہوتا ہے، وہیں سارے معاملات پیش آتے ہیں۔ قرآن وحدیث کے بیان کے مطابق وہ مقام عالم برزخ ہے۔ مگر حیات وسماع کے قائلین اسے اس قبر کے ساتھ مشروط قرار دیتے ہیں۔ اس قبر میں جسد عنصری پر اس کے اثبات سے مردہ وقبر پرستی کا راستہ کھلتا ہے اور انہیں یہی مطلوب ومقصود ہے۔ روایات کے رطب ویابس پر مشتمل انبار کو اس کے فروغ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ رطب ویابس کا انبار دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بعد میں وجود میں آیا، ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک تو اس تعلق سے چند احادیث ہی تھیں جس میں سے کسی ایک حدیث میں بھی حیات وسماع فی القبر کا وجود نہیں ہے۔ یہ ان احادیث کی بھی اپنے عقیدے کے موافق تشریح اور تعبیر کرتے ہیں۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا سمجھایا، سکھایا، اور پڑھایا ہوا سبق ان کے نزدیک غلط اور ان کی اپنی باطل تشریح درست ہے جو کہ نصوص قرآنی سے براہ راست متصادم ہے۔ مکی دور میں کفار ومشرکین پر عذاب سے متعلق تو آیات نازل ہو چکی تھیں۔ مومنوں کے تعلق سے آزمائش اور عذاب و راحت کا کوئی ذکر نہ ہوا تھا۔ مدنی دور بھی اسی طرح گزرتا رہا کہ ۱۰ ہجری میں سورج گرہن کا واقعہ ہوا۔ اسی دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم کی وفات ہوئی۔ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا:

وَإِنَّهُ قَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ (صحیح بخاری حدیث نمبر ۹۲۲)

مجھے وحی کے ذریعے بتایا گیا کہ قبروں میں تمھاری آزمائش ہوگی۔

اسی خطبہ میں آپ نے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگیں۔ یہ پہلا موقع تھا جب آپ نے مومنین ومسلمین کو قبر کی آزمائش اور عذاب وراحت سے متعلق آگاہ فرمایا۔ یہ ۱۰ ہجری کے اس مہینہ اور دن کا واقعہ ہے جس میں ابراہیم ابن النبی علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ روایات میں مہینے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن حزم کے نزدیک ذیقعد ہے کچھ دوسروں کے نزدیک ذی الحجہ، مگر ۱۰ ہجری میں سورج گرہن شوال کی ۲۷ تاریخ کو ہوا تھا۔ اس طرح قبر کی آزمائش اور عذاب وراحت سے متعلق پہلی آگاہی اور تعلیم ۱۰ ہجری ۲۷ شوال ہے۔ روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری ہے یعنی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساڑھے چار ماہ حیات رہے۔ ان ساڑھے چار ماہ میں نبی علیہ السلام کی مصروفیات کس قدر زیادہ رہی ہیں اس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ احادیث کی کتب اور تاریخ کے اوراق آپ کی مصروفیات محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ عظیم الشان حجۃ الوداع ان ساڑھے چار ماہ کی مصروفیات میں سے ہے۔ ایک طرف ساڑھے چار ماہ کا قلیل عرصہ ہے جس میں آپ بے حد مصروف رہے اور دوسری طرف عذاب قبر سے متعلق بے حساب روایات ہیں جن سے مردوں کے زندہ ہونے اور سننے والا ہونے کا استدلال کیا جاتا ہے۔ جبکہ صحیح احادیث تھوڑی یعنی چند ہی ہیں۔ کچھ روایات صحیح احادیث کا چربہ

ہیں۔ بہت سی روایات تو من گھڑت ہیں، بہت سی ایسی ہیں جنہیں ناقلین کے بیان کے فرق نے تعداد میں کر دیا ہے۔ انہیں الگ الگ احادیث مانا جاتا ہے۔ ان سب کو جمع کر کے بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ تازہ ترین ''المسند فی عذاب القبر'' تیار کی گئی ہے۔ اس کا مقصد وہی ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ آج کل یہ نعرہ مستانہ بھی زور وشور سے سننے میں آ رہا ہے کہ مردہ روح لوٹ آنے کے باوجود بھی مردہ ہی ہوتا ہے، قبر میں دنیا والوں کی آوازیں سننے کے باوجود وہ مردہ ہی ہوتا ہے۔ احساس وشعور رکھنے کے باوجود مردہ ہی ہوتا ہے۔ حتی کہ قبر کے باہر لوگوں کو پہچان لینے ان سے مانوس ہونے کے باوجود بھی مردہ ہی رہتا ہے۔ اگر ان ساری صفات کا حامل جسم مردہ ہے تو پھر زندہ کسے کہتے ہیں؟ یہ ساری صفات تو اللہ نے زندوں میں رکھی ہیں۔ اور فیصلہ بھی سنا دیا کہ زندہ اور مردہ برابر نہیں۔ زندہ اور مردے کا تفاوت اور فرق ایک دوسرے کی ضد ہونے کا ہے۔ جیسے اندھیرے اور اجالے کا فرق، اندھے اور آنکھوں والے کا فرق۔ (سورہ فاطر ۲۲)

مردوں کو زندوں کی صفات دے کر انہیں زبان کی کروٹوں سے مردہ کہنے کا کیا فائدہ؟ یہ تو شراب کو شہد کہہ دینا ہے، اس طرح شراب شہد تو نہیں ہو سکے گی نہ ہی حلال۔ جسد عنصری یعنی انسانی جسم میں روح کے آنے سے زندگی شروع ہوتی ہے اور نکل جانے سے موت آ جاتی ہے۔ مردہ جسم میں جب روح کا لوٹ آنا مان لیا گیا تو اس کا صاف مطلب ہے کہ اس میں زندگی مان لی گئی، خواہ اسے زندہ کہا جائے یا نہ کہا جائے۔ اصل چیز تو ماننا ہی ہے۔ انسانی جسم میں روح لوٹ آنے کے باوجود اسے مردہ کہنا دفع الوقتی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ویسے حیات فی القبر کے دعوے دار خود بھی اسے برزخی زندگی کہتے اور مانتے آئے ہیں۔ مردے کے احوال نظر نہ آنے کی وجہ برزخ اور غیب بتاتے ہیں مگر یہ برزخ یہ غیب زندوں کے لیے رکھ چھوڑا گیا ہے، رہے مردے تو وہ برزخ اور غیب کے پردے سے مستثنیٰ رکھے گئے ہیں۔ وہ زندوں کو پہچان لیتے ہیں ان کی سن لیتے ہیں وغیرہ، یہ برزخ یہ غیب ان کو نہیں روک پاتا۔ اصل بات یہ ہے کہ جسد عنصری دنیا کی چیز ہے مادی شے ہے۔ اس میں روح کا لوٹ آنا اس کو زندہ کرنا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس جسد کی صرف دو زندگیاں اور دو موتیں ہیں۔ اس میں تیسری زندگی قرآن وحدیث کا صاف انکار ہے۔ اس تیسری زندگی کو کوئی سا بھی نام دے لو، جسد عنصری پر خود ساختہ برزخ اور غیب کے پردے ڈال دو، جسد عنصری کی یہ تیسری زندگی ہی ٹھہرے گی۔ اس کی قرآن وحدیث میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں بلکہ اس کی تردید موجود ہے۔ قرآن وحدیث کی رو سے تو مرنے والے جہاں لے جائے جاتے ہیں درحقیقت وہ عالم برزخ، عالم بالا اور عالم غیب ہے۔ جسد عنصری کو ملنے والی زمینی قبر کو عالم برزخ قرار دینا ان حیات وسماع فی القبر کے ماننے والوں کی کارفرمائی ہے۔ قرآن وحدیث کے خلاف ایک بات بنا لی گئی ہے اور اسے مشہور کر دیا گیا ہے۔ حیات اور سماع کے قائلین کو سمجھانے کے لیے جب کہا جاتا ہے کہ

آپ قبر کے عذاب وراحت کو اس زمینی قبر کے ساتھ مشروط کرتے ہو، یہ تو ہر ایک کو نہیں ملتی، اس آزمائش کے لیے قبر کی شرط غلط ہے یا پھر یہ آزمائش ہر ایک کے لیے نہیں، جو قبر میں دفن کیا گیا بس اسی کے لیے ہوسکتی ہے۔ اس کے جواب میں زمینی قبر پر اصرار کرنے والے زمین کے ہر اس خطے کو قبر قرار دے دیتے ہیں جہاں مردوں کے جسم کے اجزا زمین کا حصہ بنے ہوں۔ یعنی جسد عنصری کے ذرات زمین میں جہاں جہاں ہونگے وہ اس کی قبر ہوگی، یہ موقف یہ نظریہ ان کے ہاں بڑا پسندیدہ ہے۔ بڑے جزم سے اسے پیش کرتے ہیں۔ یہ بھول جاتے ہیں کہ خود ہی صرف ''جائے دفن'' کو قبر قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر ایک کے لیے یہی ایک قبر ہے اس کے علاوہ کوئی قبر نہیں۔ عجیب تماشہ ہے، ایک طرف تو زمین کو کھود کر بنائی جانے والی قبر کو ہی قبر کہتے ہیں کہ کوئی دوسری قبر نہیں، پھر خود ہی جسد عنصری کے ذرات والی ہر جگہ کو بھی قبر کہتے ہیں۔ اس طرح خود دوسری بہت سی قبروں کے قائل ہو جاتے ہیں، مگر ان کی اس دوسری قبر کا طول وعرض پوری زمین ہی بن جاتی ہے۔ جہاں جہاں انسانی جسم کے اجزا و ذرات، اس کی وہیں وہیں قبر، اگر ذرات منتشر ہوں تو ہر جگہ ہی قبر ہو جاتی ہے۔ نہیں معلوم کون سی جگہ قبر سے بچی ہے کہ وہاں نماز قائم کی جائے۔ یہ تو زمین کا معاملہ ہے جسے درندے کھا جاتے ہیں اس کی قبر درندے کا پیٹ قرار دیتے ہیں جو سمندر کی نظر ہو جاتا ہے جسے مچھلیاں کھا جاتی ہیں اس کی قبر سمندر اور مچھلی کا پیٹ بتاتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو صرف ایک ہی قبر ایک ہی قبر کا راگ الاپتے ہیں، ان کے اپنے نزدیک کتنی قبروں کا نظریہ موجود ہے، اس سے عیاں ہے۔ ان ہی لوگوں کا دعویٰ ہوتا ہے قرآن وحدیث میں صرف ایک ہی قبر کا ذکر ہے جس کو کھود کر بنایا جاتا ہے جس میں مردوں کو دفنایا جاتا ہے۔ پھر یہ ساری قبریں جن کا یہ دعویٰ کرتے ہیں منتشر اجزا والی قبریں، درندے، مچھلی اور سمندر میں بننے والی قبروں کا ذکر قرآن وحدیث میں کہاں ہے، یہ بتانے کی زحمت نہیں کرتے۔ اس وقت انہیں اپنے نظریہ ''صرف ایک ہی قبر'' کا خیال تک نہیں رہتا۔ انسانی جسم جلد یا بدیر گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور مٹی میں مل کر خاک کا حصہ بن جاتا ہے۔ نہ اس کی بے جان آنکھیں باقی بچتی ہیں نہ کان، نہ ہی احساس وشعور کے دیگر اعضاء۔ پھر بھی دعویٰ ہے کہ یہ سنتا ہے، دیکھتا ہے، احساس وشعور رکھتا ہے، عذاب بھگتتا یا راحت پاتا ہے۔ جب بھی ان کی توجہ اس طرف دلائی جاتی ہے تو غور وفکر کے بجائے ہٹ دھرمی سے خلط مبحث ہی کیا جاتا ہے۔ اللہ کی قدرت کو اپنے عقیدہ باطلہ کے حق میں لے آتے ہیں، نہیں سوچتے کہ انسان کا مرے پیچھے گلنا سڑنا ریزہ ریزہ ہو جانا اللہ کے قانون کے تحت ہی ہوتا ہے جو اس کی عظیم الشان قدرت کا نمونہ ہے۔ یہاں یہی بات سمجھنے کی ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا جسد عنصری برباد ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر مٹی کا حصہ ہونا اللہ نے مقرر کیا ہے (سورہ ق آیت ۶)۔ اس کے مقرر کردہ طریقہ سے ہٹ کر اللہ کے نظام سے متعلق نظریات نری گمراہی ہے۔ دیکھنے کے لیے اللہ نے آنکھیں، سننے کے لیے کان، پکڑنے کے لیے ہاتھ، چلنے کے لیے پیر دیے ہیں، یہ اعضاء ہیں تو ان سے یہ

سارے کام ہونگے ورنہ نہیں (زندوں کے لئے بھی اللہ کا یہی قانون ہے) اس معقول بات پر اللہ کی قدرت واختیار سے انکار کا الزام عائد کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ اللہ کی کتاب مگر اس طرز استدلال کو رد کرتی ہے۔ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو پکارتے تھے جن میں فوت شدہ انبیاء اور صلحا بھی تھے۔ مشرکین کے اس مشرکانہ فعل کی تردید اس طرح کی گئی، ان حیات الاموات اور سماع موتی کے قائلین کے اس استدلال، طرز وطریقہ کے بوگس ہونے کو ایسے واضح کیا ہے کہ تاویل کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ ملاحظہ ہو:

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ فَادۡعُوۡھُمۡ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ اَلَھُمۡ اَرۡجُلٌ یَّمۡشُوۡنَ بِھَاۤ اَمۡ لَھُمۡ اَیۡدٍ یَّبۡطِشُوۡنَ بِھَاۤ اَمۡ لَھُمۡ اَعۡیُنٌ یُّبۡصِرُوۡنَ بِھَاۤ اَمۡ لَھُمۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِھَا ؕ قُلِ ادۡعُوۡا شُرَکَآءَکُمۡ ثُمَّ کِیۡدُوۡنِ فَلَا تُنۡظِرُوۡنِ (سورہ اعراف ۱۹۵، ۱۹۴)

تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہو وہ تو محض بندے ہیں جیسے تم بندے ہو۔ ان سے دعائیں مانگ کر دیکھو، یہ تمھاری دعاؤں کا جواب دیں اگر ان کے بارے میں تمھارے خیالات صحیح ہیں۔ کیا یہ پاؤں رکھتے ہیں کہ ان سے چلیں؟ کیا یہ ہاتھ رکھتے ہیں کہ ان سے پکڑیں؟ کیا یہ کان رکھتے ہیں کہ ان سے سنیں؟ اے محمد، ان سے کہو کہ بلا لو اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو پھر تم سب مل کر میرے خلاف تدبیریں کرو پھر مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔

یہاں آیات میں وہ سب ہستیاں مراد ہیں جن کو مشرکین اللہ کو چھوڑ کر پکارتے تھے ان میں فوت شدہ لوگ بھی تھے، ان کو پکارنے والوں کی احمقانہ روش پر چوٹ لگائی گئی ہے کہ ان کو پکارتے ہو جن کے ہاتھ پیر آنکھیں اور کان کچھ بھی نہیں کہ ان کو استعمال ہی کر سکیں۔ اگر اسی طرز پر ان حیات وسماع کے قائلین کے باطل عقیدے پر چوٹ لگائی جائے تو اس سے زیادہ بہتر اور کون سا طریقہ انہیں سمجھانے کا ہو سکتا ہے۔ یہ جو مردہ جسم، جسد عنصری ہے عذاب وراحت کے قائلین بھی اس جسم اس جسد عنصری پے عذاب مانتے ہیں جو ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، آنکھیں کان ہاتھ پیر کچھ بھی باقی نہیں رہتے، اس صورت میں ان سے یہی کہا جانا چاہیے کہاں ہیں وہ کان جس سے وہ سنتا ہے کہاں ہے وہ منہ اور زبان جس سے وہ جواب دیتا ہے، کہاں ہیں وہ آنکھیں جس سے وہ دیکھتا اور پہچانتا ہے، کہاں ہیں اس کے جسم کے دوسرے اعضاء جس سے اٹھ بیٹھتا ہے وغیرہ۔ اصل بات یہی ہے کہ مرنے والے سے قیامت سے پہلے سوال و جواب اور عذاب وراحت کے معاملات اس دنیاوی جسم سے متعلق ہیں ہی نہیں۔ یہ سارے معاملات تو روح کے ساتھ ہیں جسے فرشتے قبض کرتے اور نکال کر لے جاتے ہیں۔ جہاں روح کو لے جایا جاتا ہے یا جہاں روح پہنچتی ہے وہ

مقام عالم برزخ ہے۔ وہاں جسد عنصری نہیں پہنچتا روح پہنچتی ہے۔ دنیاوی جسم تو مادی عناصر کا مرکب ہے مادی دنیا میں تحلیل اور منتشر ہو رہتا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان جسموں کو دوبارہ تخلیق فرمائے گا۔ ان میں روحیں لوٹائی جائیں گی اور مالک کے سامنے پیش ہونگے۔ قیامت سے پہلے جو آزمائش اور عذاب وراحت ہے وہ اس کے ساتھ نہیں، اس کا تعلق بنیادی طور پر اس روح کے ساتھ ہے جو اس جسم میں ہوتی تھی۔ پورے قرآن وحدیث میں یہی بات بیان ہوئی ہے، جسم فنا ہو جاتا ہے، روح میں دنیا میں گزارے ہوئے پورے کردار کا شعور ہوتا ہے۔ روح کے ساتھ سارے معاملات گزرتے ہیں۔

روح کو عذاب وراحت برزخی جسم کے ساتھ:

روح کے ساتھ عذاب ونعیم کے سارے معاملات کے لیے اسے حسب حیثیت جسم دیا جاتا ہے۔ عالم برزخ میں مرنے والے کے ساتھ جتنے معاملات کا ذکر صحیح احادیث میں آیا ہے وہ سارے روح کو ملنے والے جسم کے ساتھ ہی بیان ہوئے ہیں۔ بعض کا خیال اور نظریہ یہ رہا کہ یہ صرف روح کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مگر یہ نظریہ بلا دلیل ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح احادیث کے بیان کے مطابق بھی نہیں ہے۔ قرآن وحدیث کی رو سے روح ایسی چیز ہے ہی نہیں، اولاً انسان کے پاس روح کے متعلق کوئی قابل ذکر علم موجود ہی نہیں۔ قل الروح من أمر ربی۔ جس قدر علم ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ روح کو لذت والم کے حصول کے لیے آلے کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ جسم کی صورت میں اللہ کی طرف سے اسے دیا جاتا ہے۔

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۵)

یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں کہو یہ روح میرے رب کے حکم سے ہے، مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے۔

آدم علیہ السلام کا جسد خاکی جب بنایا گیا تو اس میں اللہ تعالیٰ نے روح پھونکی۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (سورہ حجر آیات ۲۹)

جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔

آیت میں لفظ نفخت آیا ہے، نفخ کے معنی پھونکنے کے ہیں۔ حدیث میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ احادیث

کے مطابق رحم مادر میں انسان کی پرورش کے دوران ایک مرحلہ پر فرشتہ آ کر اس میں روح پھونکتا ہے، الفاظ ہیں: ثم ینفخ فیہ الروح۔ اسی طرح جاندار کی تصاویر مورتیاں بنانے والے سے متعلق نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ

مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فِي الدُّنْيَا كُلِّفَ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَلَيْسَ بِنَافِخٍ (صحیح مسلم حدیث نمبر ۵۵۴۱)

جس شخص نے دنیا میں کوئی تصویر بنائی اس کو اس بات کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ قیامت کے دن اس میں روح پھونکے اور وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔ ان سے معلوم ہوا کہ روح پھونکے جانے والی چیز ہے۔ اس سے متعلق یہ کہنا کہ عذاب وراحت کے جن معاملات کا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہے وہ صرف روح سے متعلق ہیں قطعاً غلط ہے۔ ہر جگہ جسم کے ساتھ ان کا ذکر ہوا ہے جو دنیاوی جسم نہیں، عالم برزخ میں دیا جانے والا جسم ہوتا ہے۔ عالم برزخ کے تعلق سے اسے برزخی جسم ہی کہا جاسکتا ہے۔ دنیاوی جسم میں روح لوٹ آنے مردے کے زندہ ہوجانے کے قائلین کو یہ بالکل ہضم نہیں ہوتا۔ بات کی تفہیم کے بجائے عالم برزخ اور اس کے معاملات کو جھٹلاتے ہیں۔ حالانکہ متعدد احادیث میں عالم برزخ میں مرنے والوں پر بیتنے والے حالات کا ذکر جسم کے ساتھ موجود ہے۔ کبھی ان احادیث کو تمثیل قرار دیتے ہیں، کبھی خواب کے معاملات۔ غرض یہ ہوتی ہے کہ عالم برزخ کو چھوڑ کر عالم دنیا میں جسد عنصری پر سارے مراحل کو مانا جائے تاکہ حیات وسماع کے مشرکانہ عقائد کا جواز باقی رہے۔ مردے اور قبریں پوجی جاتی رہیں۔ مردوں اور قبروں کو پوجے جانے کے لیے حیات وسماع کے عقائد کا قائم رہنا ضروری ہے ورنہ مٹی کے ڈھیر پر چلّے کاٹنے اور میلے عرس کی وجہ ہی نہیں رہتی۔

آج کل مذہبی اسکالرز کا دور دورہ ہے۔ جتنے اسکالر ہیں اتنے ہی نظریات وافکار ہر سو موجود ہیں، اس وجہ سے حیات وسماع فی القبر کی بہت سی تشریحات بہت سی توجیہات بہت سی تاویلات اور بہت سی شکلیں مذہبی حلقوں میں موجود ہیں۔ ان سب کا حاصل حیات وسماع فی القبر ہی ہے۔ بنیادی طور پر یہ نظریات پرانے عقائد کے موڈیفائیڈ ورجن (Modified Version) ہیں۔ علم اور تحقیق پسند حلقوں میں سب سے زیادہ پاپولر نظریہ یہ ہے کہ روح صرف سوال وجواب کے لیے لوٹائی جاتی ہے، اس کے بعد وہ جسد سے نکل کر اپنے مستقر میں چلی جاتی ہے۔ (زبیر علی زئی گروپ کا کہنا ہے کہ روح جنت یا جہنم میں چلی جاتی ہے، یعنی ان کے نزدیک مرنے والوں کو دو جگہ عذاب یا دو جگہ راحت ملتی ہے) یہ آج کل کے اہل حدیث کہلانے والے فرقہ کی ایک اکثریت کا نظریہ ہے۔ ان کے یہ عقائد موجودہ دور کے عرب کے وہابی حنبلی عقائد کے عین مطابق ہیں، ان ہی سے لیے گئے ہیں۔ قرآن وحدیث کے خلاف روح لوٹ آنے کا یہ عقیدہ ویسے تو وہی ہے جو سب کا ہے مگر صرف سوال وجواب کے وقت کے لیے اسے خاص کرنا اس کی

انفرادیت ہے۔جس روایت کی بنیاد پر روح کا لوٹنا مانتے ہیں اس میں یہ قید یہ ٹائم فریم(Time Frame) موجود ہی نہیں ہے کہ یہ لوٹنا صرف سوال وجواب کے لیے ہے۔ بلکہ اس کے برعکس مستقل لوٹ آنے کا ذکر ہے۔جیسا کہ اوپر کی سطور میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔جس روایت پر عقیدہ ہے اسے پوری طرح خود بھی نہیں مانتے۔رہی بات روح کے جسم سے دوبارہ نکلنے کی تو ایسا کسی بھی روایت میں مذکور نہیں۔ظاہر ہے کہ یہ نظریہ خود ساختہ ہے جس کے لیے ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔

روح کا جسم کے ساتھ فاصلاتی اتصال اور کنکشن:

ان کے عقیدے کی رو سے سوال وجواب کے وقت جو روح جسم میں آئی تھی وہ اس کے بعد جسم سے نکل جاتی ہے،جسم سے نکل جانے کے بعد اس روح کا جسم سے تعلق واتصال رہتا ہے۔اس کی وجہ سے جسم عذاب وراحت محسوس کرتا ہے۔روح کا لوٹ آنا منکر بلکہ موضوع روایت پر مبنی ہے،اس کا دوبارہ نکلنا اس روح لوٹ آنے والی روایت کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ من گھڑت ہے،صحیح تو کجا کسی ضعیف منکر موضوع روایت میں بھی ایسی کوئی بات نہیں۔رہی بات روح کے جسم سے نکل جانے کے بعد جسم سے تعلق اتصال کنکشن کا ہو جانا تو یہ بھی من گھڑت وخود ساختہ ہے۔حیات وسماع فی القبر کے قائلین نے اسے ہر دور میں پیش ضرور کیا ہے۔مگر یہ ان کا طبع زاد نظریہ ہے۔ روح وجسم،زندگی وموت کے خالق اور رب نے ایسا نہ تو بیان کیا ہے نہ ایسا کوئی نظام ہی رکھا ہے،انہوں نے اپنی طرف سے یہ سب کچھ گھڑا ہے اور اسے اسلامی عقیدہ بنا کر پیش کر دیا ہے۔روح کا یہ تعلق یہ اتصال،یہ کنکشن ماننے والے بتائیں کہ ان کے پاس اس کی کیا دلیل ہے،ان کو یہ کہاں سے القا ہوا ہے؟؟؟ لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے یہ فلسفہ گھڑا گیا ہے،وہ بھی اس لیے کہ احادیث سے مرنے کے بعد کے معاملات عالم برزخ میں ہونے کے نظائر پیش کیے جاتے ہیں تو یہ لوگ روح کی موجودگی اس کے مستقر میں مانتے ہوئے اس کا تعلق،اتصال،کنکشن بتانا شروع کر دیتے ہیں،تاکہ دنیاوی جسم میں حیات وسماع کا عقیدہ قائم اور باقی رہے۔یہ اتصال یہ کنکشن یہ تعلق نہ تو قرآن کی کسی آیت میں بیان ہوا ہے اور نہ ہی کسی حدیث میں۔قرآن میں تو مرنے والوں کا دنیا سے اتصال اور کنکشن **ومن ورائھم برزخ إلی یوم یبعثون** کے ذریعے باطل قرار دے دیا گیا ہے۔اس آیت کی رو سے مرنے والوں کا دنیا اور دنیاوی جسم سے ہر قسم کا اتصال اور کنکشن من گھڑت قرار پاتا ہے۔یہ اتصال اور کنکشن دراصل اللہ تعالیٰ کے موت و حیات کے نظام میں اپنی طرف سے اختراعی اضافہ ہے،یہ اختراع قرآن کے نصوص سے براہ راست متصادم ہے۔ اس اختراعی نظریہ پر جسد عنصری پر عذاب وراحت کا عقیدہ قائم ہے۔یہ اختراعی ہے تو لازم آتا ہے کہ اس کی بنیاد پر آگے جو عمارت استوار کی گئی ہے وہ بھی باطل ہے۔اللہ تعالیٰ کے نظام کے تحت تو زندگی میں روح جسم میں موجود ہوتی

ہے، روح کے نکلنے سے موت واقع ہوجاتی ہے۔ زندگی میں بھی جب تک جسم صحیح سالم ہوتا ہے روح جسم میں رہتی ہے۔ اگر کسی حادثہ میں جسم برباد ہوتا ہے تو فوراً موت واقع ہوجاتی ہے، روح جسم سے نکل جاتی ہے۔ یعنی روح جسم میں اس وقت تک ہی رہتی ہے جب تک جسم کے اعضاء رئیسہ سالم ہوتے ہیں، ان کی تخریب اور بربادی کی صورت میں روح کا جسم سے اخراج ہوجاتا ہے جسم اور روح کا رشتہ ختم ہوجاتا ہے۔ بم دھماکوں میں صحت مند جیتے جاگتے انسان جب یک لخت ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں تو موت فوراً واقع ہوجاتی ہے روح اور جسم کا تعلق ختم ہوجاتا ہے۔ یہ سب قانون الٰہی کے تحت ہے۔ اللہ کا قانون تو یہ ہے کہ روح اور جسم کا رشتہ جسم کی سلامتی کے ساتھ مشروط ہے مگر حیات وسماع فی القبر کے پرچار کرنے والے انسانی جسم کے ریزہ ریزہ ہوجانے والے ذرات میں روح لوٹ آنے، روح کا جسم کے ذرات سے تعلق اور رشتہ قائم ہوجانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کے یہ خودساختہ من گھڑت نظریات ان کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ نظریات کہاں سے لائے ہو۔ خالق و مالک نے تو بتایا نہیں۔ الحاصل مرنے کے بعد روح اور مردہ جسد کا فاصلاتی تعلق اختراعی دعویٰ ہے۔ امام ابن تیمیہ اس میدان کے بے مثل ایکسپرٹ (Expert) گزرے ہیں۔ ان کا اسپیشلائز ڈورجن (Specialized Version) ملاحظہ ہو:

العذاب والنعيم على النفس والبدن جميعا باتفاق أهل السنة والجماعة، تنعم النفس وتعذب منفردة عن البدن، وتعذب متصلة بالبدن، والبدن متصل بها، فيكون النعيم والعذاب عليهما في هذه الحال مجتمعين، كما يكون للروح مفردة عن البدن۔ (مجموع الفتاوی)

پہلی بات: اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ عذاب وراحت روح و بدن دونوں کو ایک ساتھ ہوتا ہے۔ دوسری بات: روح کو راحت وعذاب بدن سے الگ ہوتا ہے۔ تیسری بات: عذاب دیا جاتا ہے بدن سے متصل۔ چوتھی بات: بدن اس کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔ پانچویں بات: پس راحت وعذاب روح وبدن دونوں کو ایک ساتھ ہونے کی حالت میں ہوتا ہے، جیسا کہ روح کو بدن سے الگ ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔

کیا خوب وضاحت ہے! ایسے بھی ہوتا ہے ویسے بھی ہوتا ہے، ایسے ویسے بھی ہوتا ہے۔ یعنی ہر ہر طرح سے ہوتا ہے۔ جسم وروح دونوں کو ایک ساتھ ہوتا ہے۔ عذاب وراحت کے اس ورجن (Version) کو ان کے معتقدین اسلام کا لبادہ پہناتے چلے آئے ہیں۔ مگر جسم اور روح کا یہ اتصال یہ تعلق نہ قرآن میں ہے نہ احادیث میں۔ ابن تیمیہ، ابن قیم کا یہ اختراعی فلسفہ ہے انہوں نے اسے ایسے وثوق سے پیش کیا ہے جیسے یہ وحی پر مبنی ہو۔ جسد عنصری، مردہ جسم پر عذاب وراحت کے قائلین جانتے ہیں کہ مردہ جسم پر عذاب وراحت بے معنی ہے۔ اسے جماد پر عذاب

وراحت کے مصداق سمجھتے ہیں ۔تب ہی موت یعنی اخراج روح کے بعد وہ روح لوٹ آنے اور روح کا جسم سے اتصال وتعلق قائم ہوجانا بتاتے آئے ہیں۔ یہ من گھڑت موقف اختیار کرنے کی وجہ یہی ہے کہ بغیر روح کے جسم پر عذاب وراحت بے معنی ہے۔

بلاروح عذاب کرامی نظریہ :

بغیر روح کے جسد عنصری پر عذاب کے قائل ماضی میں کرامیہ گروہ رہا ہے جسے انہوں نے گمراہ فرقہ قرار دے کر فارغ کر دیا تھا۔اب کرامی نظریہ کی بازگشت پھر سے سنی جارہی ہے،مگر یہ حقیقی نہیں ہے،قرآن وحدیث کے دلائل کے سامنے بے بس ہوکر بلاروح جسد پر عذاب وراحت کا افسانہ سنانے لگتے ہیں۔جس کرامی نظریہ کو ان کے سلف گمراہیت سے تعبیر کرتے رہے اس کو اپنا عقیدہ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اپنے سلف کی خبر لیں۔مردوں میں روح لوٹ آنے کے قائلین بھی مختلف العقائد ہیں۔عصر حاضر میں سب سے زیادہ مقبول موقف یہ ہے کہ سوال وجواب کے وقت روح لوٹائی جاتی ہے، ہمیشہ جسم میں نہیں رہتی۔سوال وجواب کے بعد روح اپنے مقام پر چلی جاتی ہے۔کسی کے نزدیک آتی جاتی رہتی ہے تو کسی کے نزدیک اس کا جسم کے ساتھ اتصال وتعلق ہوتا ہے۔قرآن وحدیث سے ثابت شدہ عقیدے کو چھوڑ دینے کے بعد گویا بھانت بھانت کے نظریات اختیار کر لیے گئے ہیں۔روح لوٹ آنے کے بعد جسم میں ہی رہتی ہے یہ نظریہ آج کل تحقیقی انداز کے علمی حلقوں میں لائق اعتناء نہیں۔مگر کیا کیا جائے اس کے پیچھے بھی بڑی شخصیات رہی ہیں۔

خلف کا سلف سے انحراف :

امام ابن خزیمہ المتوفی ۳۱۱ھ کسی تعرف کے محتاج نہیں وہ اپنی کتاب، کتاب التوحید میں اسی نظریہ کو حق ثابت کر چکے ہیں۔ان کے مطابق قبر میں روح لوٹ آنے کے بعد جسم میں ہی رہتی ہے یعنی مردہ جسم میں روح موجود رہتی ہے۔مردہ قبر میں زندہ ہوتا ہے۔

امام ابن خزیمہ لکھتے ہیں:

> خبر الله عز وجل أن آل فرعون يعرضون على النار غدوا وعشيا، وسياق الآية دال على أن النار إنما تعرض عليهم غدوا وعشيا قبل يوم القيامته ومحال أن تعرض النار على جسد لا روح فيه، ولا يعلم أن النار تعرض عليه، (كتاب التوحيد جز ۲ صفحه۸۸۱)

اللہ عزوجل نے خبر دی ہے کہ بلاشبہ آل فرعون کو صبح وشام آگ پر پیش کیا جاتا ہے،آیت کا سیاق دلالت

کرتا ہے کہ ان پر جو آگ صبح وشام پیش کی جاتی ہے یہ قیامت سے پہلے کا ذکر ہے، اور یہ ناممکن ہے کہ آگ ایسے جسم پر پیش کی جائے جس میں روح نہ ہو، اور وہ جانتا بھی نہ ہو کہ اس کے جسم کو آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔

امام ابن خزیمہ نے بات بالکل واضح کر دی ہے کہ عذاب کے وقت مردہ جسم میں روح موجود ہوتی ہے۔ انہوں نے بے روح جسم پر عذاب کی نفی کرتے ہوئے اسے ناممکن قرار دیا ہے۔ کہاں ہیں بے روح جسم پر عذاب کے ماننے والے! کیا وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہوئے امام ابن خزیمہ کو باطل پر قرار دینے کے لیے تیار ہیں؟ یا اپنے موقف اپنے عقیدے کو باطل مان کر امام ابن خزیمہ کے عقیدے کا پرچم بلند کرنا چاہیں گے؟ امام ابن خزیمہ کو جو مقام ومرتبہ حاصل ہے وہ عصر حاضر کے محققین کا نہیں۔ پھر بھی آج روح کو فقط سوال وجواب کے لیے لوٹائے جانے کے دعوے کیے جا رہے ہیں۔ امام ابن خزیمہ کی بات کو نہیں مانا جا رہا، جو جسم میں روح کی موجودگی سوال وجواب کے بعد بھی مانتے ہیں۔ امام ابن خزیمہ کی اسی کتاب التوحید کے محققین اس نظریہ کو غلط قرار دے رہے ہیں:

إن الآية لا تعني عرض أجسادهم على النار بعد ترد الروح إليها، فإن ترد الروح إلى الجسد إنما يكون بقدر السؤال فقط، ثم تخرج الروح إلى مكانها، إما في الجنة إن كانت مؤمنة، وإما في سجين، وأما عرض آل فرعون على النار بالغدو والعشي، فإنما هو لأرواحهم، وتتألم من ذلك أجسادهم في قبورهم، من غير أن تحل الأرواح بالأجساد.

بلاشبہ آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اجسام کو آگ پر پیش کرنا ان میں روح لوٹانے کے بعد ہوگا، کیونکہ جسم میں روح کا لوٹانا صرف سوال کے بقدر ہوگا، پھر روح نکل کر اپنی جگہ واپس لوٹ جائے گی، مومن روح ہوئی تو جنت میں ورنہ سجین میں لوٹ جائے گی اور رہی بات آل فرعون کو صبح وشام آگ پر پیش کرنا یہ ان کی ارواح کے ساتھ ہوگا جس کی وجہ سے ان کے جسم قبروں میں تکلیف محسوس کریں گے، اور یہ ارواح کا اجسام میں حلول کیے بغیر ہوگا۔

امام ابن خزیمہ کے موقف پر کتاب کے شارحین اور محققین نے یہ حاشیہ آرائی فرمائی ہے۔ یہ حاشیہ کتاب کے محقق اور حاشیہ نویس ڈاکٹر خلیل ہراس کا ہے۔ دیگر لوگ بھی ان سے متفق ہیں، کتاب التوحید کے دوسرے شارحین اور محققین عبدالعزیز الشہروان اور ابو مالک احمد الریاشی نے خلیل الہراس کی درج بالا عبارت کو نقل کر کے اس ہی موقف کو پیش کیا ہے۔ خلف نے سلف کے عقیدے کو رد کر دیا ہے۔ سلف کی پیروی کا دعویٰ ہوا ہو گیا ہے۔ امام ابن خزیمہ کی بات رد کر دی گئی ہے۔ اب قائلین عود روح کے نزدیک روح کی موجودگی مستقل نہیں رہی بلکہ عارضی رہ گئی ہے مگر یہ

موقف بھی سراسر غلط اور گمراہ کن ہے۔جس روایت کی بنیاد پر عود روح مانا جاتا ہے اس میں ''عارضی'' کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں بلکہ مستقل انداز سے روح لوٹ آنا بیان ہوا ہے۔عارضی طور پر روح لوٹ آنے کے قائلین اسے صرف سوال و جواب کی حد تک مانتے ہیں جیسا کہ محولہ عبارات سے واضح ہے۔اور یہاں کے اہل حدیثوں کے ترجمان بھی یہی دعویٰ کر رہے ہیں کہ چونکہ سوال و جواب کا معاملہ اہم ہوتا ہے اس لیے اس موقع پر روح لوٹائی جاتی ہے۔عبارت میں موجود یہ دعویٰ اور نظریہ تو روح لوٹ آنے والی روایت کی رو سے بے بنیاد ہے ہی مگر چونکہ روح کا لوٹ آنا من گھڑت قصہ ہے لہٰذا اسکی تصنیف میں بہت جھول موجود ہیں۔

عذاب کے وقت روح کا جسم میں موجود ہونا:

ابوداؤد کی اس روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں:

قَالَ: ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهُ أَعْمَى، أَبْكَمُ مَعَهُ مِرْزَبَّةٌ مِنْ حَدِيدٍ، لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا، قَالَ: فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ، فَيَصِيرُ تُرَابًا، قَالَ: ثُمَّ تُعَادُ فِيهِ الرُّوحُ (ابوداؤد حدیث نمبر ۴۷۵۳)

پھر اس پر ایک اندھا گونگا (فرشتہ) مقرر کر دیا جاتا ہے، اس کے ساتھ لوہے کا ایک گرز ہوتا ہے اگر وہ اسے کسی پہاڑ پر بھی مارے تو وہ بھی مٹی ہو جائے، چنانچہ وہ اسے اس کی ایک ضرب لگاتا ہے جس کو مشرق و مغرب کے درمیان کی ساری مخلوق سوائے آدمی و جن کے سنتی ہے اور وہ مٹی ہو جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: پھر اس میں روح لوٹا دی جاتی ہے۔

یہ الفاظ روح لوٹ آنے والی اس روایت ہی میں موجود ہیں۔اس کے مطابق سوال و جواب کے بعد جب عذاب کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو گرز کی مار سے مردہ مٹی ہو جاتا ہے، اس کے نتیجے میں روح نکل جاتی ہے تو اس میں دو بارہ روح لوٹائی جاتی ہے۔اس سے صرف سوال و جواب کے لیے یا صرف سوال و جواب کے وقت روح لوٹ آنے کا نظریہ تو غلط ٹھہرتا ہے۔کیونکہ مار سے مٹی ہو جانا مٹی ہونے کی صورت میں روح کا نکل جانا، اور پھر روح کا لوٹایا جانا تو بتا رہا ہے کہ یہ اعادہ روح صرف سوال و جواب کے لیے نہیں بلکہ عذاب کے لیے بھی ہوا کرتا ہے۔اور ایک بار نہیں دوسری بار بھی ہوتا ہے۔معلوم نہیں کہ اور کتنی بار یہ عمل ہوتا ہے۔سوال و جواب کے وقت ایک دفعہ کا نظریہ تو بہر صورت باطل ہوا۔یہ بھی غلط ہوا کہ عذاب کا معاملہ جسد اور روح کے فاصلاتی اتصال اور کنکشن کے ساتھ ہوتا ہے۔اس میں ضمناً یہ بات بھی آ گئی کہ جسد کے مٹی ہو جانے سے لوٹی ہوئی روح جسد سے نکل جاتی ہے۔انسانی جسم کے ریزہ ریزہ ہو جانے والے ذرات میں روح لوٹ آنے، ان ذرات سے روح کا تعلق اور اتصال قائم ہو جانے کے مبلغین کے لیے

یہ ایک تازیانہ ہے۔ کیونکہ یہاں تو گرز کی مار سے جسد مٹی ہو جاتا ہے تو روح جسد میں نہیں رہ پاتی، نکل جاتی ہے۔ جسے دوبارہ لوٹانا پڑتا ہے۔ معلوم ہوا کہ صرف سوال جواب کے لیے یا سوال و جواب کے وقت روح لوٹنے کا نظریہ اس روایت کی رو سے بھی غلط ہے۔ اسی طرح جسم کے ذرات میں روح کا آنا اور فاصلاتی اتصال سے جسم پر عذاب ہونا بھی غلط ہوا۔ روایت تو بیان کر رہی ہے کہ روح صرف سوال و جواب کے لئے نہیں بلکہ عذاب کے وقت بھی موجود ہوتی ہے، عذاب کی وجہ سے جسم ریزہ ریزہ ہونے پر روح نکل جاتی ہے تو اسے عذاب دینے کے لئے دوبارہ جسم میں لوٹایا جاتا ہے۔ حیات فی القبر کے مبلغین ارشد کمال اور زبیر علی زئی صاحبان نے اس سے گلوخلاصی کے لیے جس چابک دستی کا مظاہرہ کیا ہے اس پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ زبیر علی زئی صاحب مشکواۃ کی تحقیق وتخریج میں اس روایت (نمبر ۱۳۱) سے متعلق لکھتے ہیں:

حسن، دون قوله: "فيصير تراباً ثم يعاد فيه الروح" لان فيه الاعمش مدلس ولم يصرح بالسمع في هذا اللفظ۔

یعنی روایت حسن ہے، سوائے ان الفاظ کے: ''تو وہ مٹی ہو جاتا ہے، پھر اس میں دوبارہ روح لوٹائی جاتی ہے۔'' کیونکہ اس میں اعمش مدلس ہے جس نے ان الفاظ کے سننے کی صراحت نہیں کی ہے۔

(مشکواۃ، تحقیق وتخریج زبیر علی زئی)

اس میدان کے دوسرے شہسوار ارشد کمال صاحب نے زبیر علی زئی کی اسی بات کو مزیّن کر کے لکھا ہے ملاحظہ ہو:

''پھر فرشتہ ہتھوڑے کے ساتھ اسے مارتا ہے جسے انسانوں اور جنوں کے علاوہ مشرق ومغرب کی ہر چیز سنتی ہے، پھر وہ مٹی بن جاتا ہے۔ اور پھر دوبارہ اس میں روح لوٹائی جاتی ہے''۔ اس اضافے کی بنا پر بعض حضرات کو یہ شبہ لاحق ہوا کہ شاید عذاب کے وقت بھی روح کو قبر میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں کیونکہ ابوداؤد کے مذکورہ الفاظ صحیح ثابت نہیں۔ اس لیے کہ ایک تو یہ روایت مختصر ہے جبکہ اس کے مقابلے میں دوسری روایات جو مفصل بھی ہیں ان میں یہ اضافہ نہیں ملتا۔ اور پھر یہ کہ اس اضافے میں اعمش مدلس کی تصریح بالسماع نہیں ملتی لہٰذا یہ اضافہ اعمش مدلس کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جن روایات میں تصریح بالسماع ہے ان میں یہ اضافہ نہیں۔ مسند ابوداود طیالسی کی ایک روایت میں یہ اضافہ ملتا ہے لیکن اس کی سند میں بھی عمرو بن ثابت ہیں جو بالاتفاق ضعیف ہیں۔

الشیخ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں: اس خاص متن میں اعمش کے سماع کی تصریح نہیں ملی لہٰذا یہ متن

مشکوک ہے اور باقی روایت حسن ہے۔

ہم نے اس سلسلے میں بذریعہ خط حافظ صاحب سے رابطہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں۔

(المسند فی عذاب القبر صفحہ ۱۵۲ تالیف محمد ارشد کمال)

ارشد کمال اور زبیر علی زئی صاحبان حیات فی القبر کے ان مبلغین میں سے ہیں جو صرف سوال و جواب کے وقت مردے میں روح لوٹنے کے قائل ہیں۔ بایں ہمہ جسد عنصری پر عذاب کے قائل بھی ہیں۔ یعنی مردہ جسد سے فاصلاتی اتصال کے قائل، جس کے تحت روح کا جسد عنصری سے تعلق اور کنکشن مانا جاتا ہے۔ یہ من گھڑت اختراعی فلسفہ ہے جو کہ قرآنی نصوص کے صریحاً خلاف ہے۔ عود روح سوال و جواب کے وقت ماننا اور بعد ازاں روح کا جسد سے نکل جانا بھی عود روح والی روایت کے مطابق نہیں ہے۔ روایت کے بموجب عذاب کے وقت بھی روح جسد میں موجود ہوتی ہے، گرز کی مار سے جسد مٹی ہو جاتا ہے تو اس کے نتیجے میں روح جسم سے نکل جاتی ہے۔ عذاب جاری رکھنے کے لیے روح دوبارہ لوٹائی جاتی ہے۔ روایت کے اس حصہ نے صرف سوال جواب کے لیے روح لوٹ آنے کے قائلین کو پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے، روایت ماننی بھی ہے اور روایت میں اپنے عقیدے کے خلاف آنے والے ان الفاظ سے چھٹکارا بھی حاصل کرنا ہے۔ زبیر علی زئی ارشد کمال صاحب کی محولہ عبارات میں یہی کوشش کی گئی ہے۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ بڑے مضحکہ خیز انداز میں جان چھڑانے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلی مضحکہ خیزی تو یہ ہے اس روایت کو مختصر قرار دے کر دوسری کو مفصل بتلایا گیا۔ پھر مختصر کو مفصل پر قربان کیا گیا ہے۔ درحقیقت یہاں مختصر اور مفصل کی بحث ہے ہی نہیں۔ کچھ تفصیلات اس روایت میں آئی ہیں اور کچھ دوسری روایت میں۔ اور جس روایت کو ارشد کمال صاحب مختصر کہہ کر جان چھڑانا چاہ رہے ہیں اس کا طول عرض بھی اس کی تغلیط کر رہا ہے۔ ویسے اس فرقہ اہل حدیث کی بے اصولی کا یہ بھی ایک شاہکار ہے۔ مردے کے چاپ سننے والی مسلم کی مختصر روایت پر ان کا اصول اس سے برعکس ہے، اسے پیش کرتے ہیں کہ اس میں فرشتوں کے آنے کا ذکر نہیں لہٰذا چاپ فرشتوں کی نہیں انسانوں کی ہی سنی جاتی ہے۔ اسی طرح انہوں نے بخاری کی روایت ان احق ما اخذتم -- والی روایت کے ساتھ بھی یہی معاملہ روا رکھا ہے۔ تفصیلی روایت کو چھوڑ کر مختصر کو لاتے ہیں کہ کسی طرح بھی ہو دین داری کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنا کر موج کریں۔ بہرصورت مردہ کا گرز کی مار سے مٹی ہونا اور اس میں دوبارہ روح کا لوٹایا جانا اسی عود روح والی روایت کا ہی حصہ ہے اسے اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ارشد کمال ہوں یا زبیر علی زئی ان دونوں صاحبان کے انکار کرنے سے روایت میں موجود اس بات کو پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا۔ عجیب تماشہ ان اہل حدیثوں نے لگایا ہے۔ ایک طرف اپنے

متقدمین کے حوالے پیش کرتے ہیں کہ ہر دور میں محدثین اور علما نے اس عود روح والی روایت کو صحیح مانا ہے اور دوسری طرف اس کے بعض الفاظ کو رد بھی کر رہے ہیں۔ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے یہ لوگ جن محدثین اور علماء کے حوالے دیتے ہیں وہ سارے ان الفاظ کے ساتھ ہی اس روایت کو صحیح مانتے رہے ہیں، صحیح قرار دیتے رہے ہیں۔ ارشد کمال اور زبیر علی زئی صاحب کو چاہیے کہ جن لوگوں کے حوالوں سے آپ کے لوگ اس روایت کو صحیح بتلاتے ہیں ان کے حوالے سے اس حصہ کو غلط ثابت کریں۔ ان کی طرف سے جن جن کو بھی پیش کیا گیا ہے وہ سب اس حصہ کو صحیح مانتے رہے ہیں۔ اس کا انکار تو ان دونوں ارشد کمال اور زبیر علی صاحبان کا اپنا اختراعی ہے۔ اور یہ انکار ان کی مجبوری بن گیا ہے، کیونکہ روایت کے یہ الفاظ ان کے جدید عقیدے کے خلاف ہیں۔ اور جو بات ان کے عقیدے اور مزاج کے خلاف ہوتی ہے اسے مردود قرار دے دینے کی انہیں بڑی مشق ہے۔ زبیر علی زئی صاحب نے یہاں اعمش کے عدم سماع کا شوشہ چھوڑا ہے۔ وہ بھی امام ابوداؤد کی مخالفت کرتے ہوئے۔ امام ابوداؤد نے اس روایت میں اس سماع کو ثابت کیا ہے جس کا انکار کیا جا رہا ہے، کسی اور جگہ نہیں بلکہ اس روایت کو بیان کرنے کے فوراً بعد ہی انہوں نے اس روایت کی درج ذیل سند پیش کی ہے، ملاحظہ ہو:

حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ ، أخبرنا الْأَعْمَشُ ، أخبرنا الْمِنْهَالُ ، عَنْ أَبِي عُمَرَ زَاذَانَ ، قَالَ : سَمِعْتُ الْبَرَاءَ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : فَذَكَرَ نَحْوَهُ (ابوداؤد حدیث نمبر ۴۷۵۴)

اعمش نے کہا ہم کو خبر دی منہال نے اور اس سے ابوعمر زاذان نے کہا میں نے براء رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے سنا، پھر انہوں نے اسی طرح حدیث ذکر کی۔

امام ابوداؤد نے ''الاعمش اخبرنا المنهال'' لاکر اعمش کا منہال سے سماع ثابت کر دیا ہے، وہ بھی خاص اس روایت میں جس کو موصوف زبیر علی زئی رد کرنے کی کوشش میں ہیں۔ الحاصل یہ کہ روایت سے ثابت ہو رہا ہے کہ روح عذاب کے وقت موجود ہوتی ہے، سوال و جواب کے بعد نکل جانے کا دعویٰ اس روایت کے خلاف ہے۔ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھا جائے کہ موصوف زبیر علی زئی کے اعمش سے متعلق رویے کو ان کے اپنے فرقے کے معتمدین تسلیم نہیں کرتے دوسرے لوگ کیونکر کریں گے۔ ان کے فرقے کے محب اللہ شاہ راشدی نے زبیر علی زئی کی اعمش کی بابت خوب خبر لی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں مقالات راشدیہ جلد نمبر ا صفحہ ۳۰۴۔

چونکہ ان کے اپنے لوگ موصوف کی امام اعمش پر طبع آزمائی سے نالاں ہیں لہٰذا ہمارا اس پر کچھ عرض کرنا فضول ہی ہوگا۔ ابوداؤد کی روایت کے مطابق زادفی حدیث جریر، ہے، موصوف زبیر علی زئی صاحب خواہ مخواہ اعمش

کے پیچھے لگ کر شغل فرماتے رہے ہیں۔ ابوداؤد کے الفاظ ہیں:

زاد فی حدیث جریر، قال: ثم یقیض له أعمی، أبکم معه مرزبة من حدید، لو ضرب بها جبل لصار ترابا، قال: فیضربه بها ضربة یسمعها ما بین المشرق والمغرب إلا الثقلین، فیصیر ترابا، قال: ثم تعاد فیه الروح۔

معلوم ہوا امام ابوداؤد نے اعمش ہی کی روایت میں جریر کا اضافہ یا زیادتی بیان کی ہے۔ جتنے حوالے اس روایت کی تصحیح کے لیے پیش کیے جاتے ہیں تقریباً سب ہی اس روایت کو اس اضافے کے ساتھ ہی صحیح قرار دیتے ہیں۔ طرفہ تماشہ ہے کہ جن کی تصحیح کو پیش کر کر کے لوگوں کو اس روایت کا حق ہونا بتاتے ہیں ان ہی کی تصحیح کا اب انکار ان کی طرف سے شروع ہو گیا ہے۔ یہ ان کی مجبوری ہے۔ انہیں اپنے جدید عقیدے کا تحفظ کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر روایت کے ان الفاظ کو نا قابل اعتبار قرار دے کر فارغ نہ کریں تو پھر صرف سوال و جواب کے وقت عود روح ہونا اور واپس نکل جانا مسترد ہو جاتا ہے۔ روح تو عذاب کے وقت بھی موجود ہوتی ہے اور اعادہ روح سوال و جواب کے بعد بھی ہوتا رہتا ہے۔ یہ مشکل آن پڑی تھی، جن پر تکیہ تھا گلو خلاصی کے لیے ان ہی کو ہوا میں اڑایا جا رہا ہے۔ مگر معتقدین اور حواریوں کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتے کہ عود روح والی روایت کی تصحیح کرنے والے تو اس کو ان الفاظ کے ساتھ ہی صحیح قرار دیتے رہے اور دے رہے ہیں۔ گزشتہ ادوار کے علماء تو اسے صحیح قرار دیتے رہے ہیں عصر حاضر کے محققین بھی ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کو صحیح بتلا چکے ہیں۔ اس روایت کو صحیح ثابت کر دکھانے کے لیے یہ خود ہی البانی اور شعیب الارناؤوط صاحبان کا حوالہ دیتے ہیں ان کو ہی دیکھ لیا جائے۔ ان اہل حدیثوں کی فنکاری عیاں ہو جائے گی۔ البانی صاحب کی صحیح ابوداؤد، احکام الجنائز و بدعہا وغیرہ اور شعیب الارناؤوط صاحب کی ابوداؤد، مسند احمد کی تعلیقات دیکھی جا سکتی ہیں۔ یاد رہے اعمش کے بغیر بھی یہ الفاظ وارد ہیں (مسند احمد حدیث نمبر ۱۸۶۱۴) مگر یہ یونس بن خباب کی روایت ہے۔ یہ موصوف اس لائق تو نہیں کہ ان کی روایت کا حوالہ دیا جائے مگر حیات فی القبر کے مدعی خود اس کی روایات نقل کر کے پیش کرتے رہے ہیں اس وجہ سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

المیت یعذب فی قبرہ:

زمینی قبر میں، مردے کے دنیاوی جسم پر عذاب و راحت کا نظریہ مردہ جسم میں روح لوٹ آنے پر قائم ہے۔ روح لوٹ آنے کا یہ عقیدہ قرآن و صحیح حدیثوں کے یکسر خلاف ہے اور منفرد، منکر، موضوع روایت پر قائم ہے۔ اس کا بطلان ظاہر و باہر ہے۔ اس عقیدے کے قائلین کو اس سے متعلق بحث کے دوران اس کا ادراک ہو چکا۔ چنانچہ اپنے عقیدے کی بقا اور تحفظ کے لیے عالمانہ فنکاری سے کام لیتے ہیں۔ ان کی یہ ساری مساعی قرآن و حدیث کے

مسلمات سے مقابلہ کے لیے ہوتی ہے۔اس کا جائزہ اور محاکمہ کر کے اس کی قلعی اتار دینا ضروری ہے۔عقیدہ عود روح کے دفاع میں ناکامی کے بعد بالعموم ان کا اصرار ہوتا ہے کہ حدیث میں میت کو عذاب ہونے کا بتایا گیا ہے۔اس سے ان کا مقصد ہوتا ہے کہ روح لوٹ آنے کے عقیدے کو ایک طرف رکھ کر محض میت یعنی جسد عنصری پر عذاب وراحت کو ثابت کر دکھایا جائے، میت پر عذاب وراحت ثابت ہو جانے سے حیات فی القبر از خود ثابت ہو جاتا ہے۔کیونکہ جسد عنصری پر عذاب وراحت کا اثبات کیا جائے تو یہ حیات فی القبر کو ہی ثابت کرنے کا دوسرا طریقہ ہے۔میت، بے جان جسم اور لاشے پر عذاب وراحت بے معنی بات ہے۔حیات فی القبر کے قائلین کے اسلاف میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہے۔کسی نے اس کا ذکر کیا بھی ہے تو تکلفاً کیا ہے۔اس کا قائل کوئی نہیں رہا۔عقیدہ اسلاف کا پیش کرتے ہیں ورجن (Version) ان کا اپنا ہوتا ہے۔اسلاف کا نام لے لے کر لوگوں کی ہمدردیاں سمیٹتے ہیں۔ان کے اسلاف میں کون ہے جو بغیر روح یا بغیر حیات کے جسد میں عذاب وراحت کا قائل ہو؟ ان کے اسلاف کے نزدیک تو یہ احمقانہ بات ہے۔اسلاف کے عقیدے کے برعکس میت پر عذاب وراحت کا اثبات کرنا ان کی مجبوری بن چکا۔چابک دستی یہ ہے کہ اس کے لیے اپنے کم فہم طبقہ کو آگے کرتے ہیں۔ان کو حدیث کے الفاظ ''میت'' رٹا دیے گئے ہیں۔انہیں اس سے غرض نہیں کہ حدیث میں اس کو کس مفہوم میں بیان کیا گیا ہے۔اس فرقہ نے اپنے پیروں کاروں کو یہ پڑھایا ہے کہ کسی مسئلہ پر اگر ایک روایت مل جائے وہ کافی ہے بس اس کو لے کر اپنے مذہب کی بنیاد رکھو، پھر پوری عمارت اس پر استوار کر لو۔ایسا ہی اس مسئلہ میں کیا گیا ہے۔احادیث سے استخراج واستنباط کے لیے ضروری ہے کہ موضوع اور مضمون سے متعلق تمام روایات پیش نظر رکھی جائیں۔ان کے تتبع سے ہی کوئی حکم سامنے آتا ہے۔حدیث کی کتابوں میں ایک ہی واقعہ کبھی الفاظ کے اختلاف کے ساتھ آتا ہے، کبھی اختصار کے ساتھ تو کبھی تفصیل کے ساتھ، کسی روایت میں پس منظر کے ساتھ نقل ہوتا ہے تو کبھی اس کے بغیر ہی۔راویان حدیث میں سے کبھی کوئی راوی تقطیع کرتا ہے تو کبھی صاحب کتاب۔غرض روایات کا تتبع ضروری اور ناگزیر ہے۔جبکہ فرقہ اہل حدیث کے لوگ اس سے بے نیاز معلوم ہوتے ہیں۔تب ہی حدیث کے الفاظ **المیت یعذب فی قبرہ** کو حیات فی القبر کے عقیدے کا ثبوت سمجھتے ہیں۔جبکہ اس حدیث کا تتبع کیا جائے تو ان کی دھوکہ دہی عیاں ہو جاتی ہے۔میت پر عذاب کے ثبوت میں جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ بنیادی طور پر میت پر نوحہ کرنے، رونے کے تعلق سے آئی ہے۔ویسے تو اس حدیث کے کئی پہلو ہیں مگر یہاں تو صرف ''**المیت یعذب فی قبرہ**'' کے تعلق سے ہی وضاحت پیش نظر رکھی جا رہی ہے۔اہل حدیث فرقہ کے زبیر علی زئی سے قبر کے متعلق سوال ہوا، اس کا جواب عبداللہ دمانوی نے دیا اس پر تحقیق ونظر زبیر علی زئی صاحب نے کی ہے جواب میں لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: المیت یعذب فی قبرہ بما نیح علیھا۔ میت کو اس کی قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس پر نوحہ کے سبب سے۔ (بخاری ۱۲۹۲ و مسلم: ۹۲۷)

یہ حدیث قبر میں میت (بدن) کے عذاب پر بالکل واضح ہے۔ (مقالات الحدیث صفحہ ۱۲۰)

حدیث کے الفاظ المیت یعذب فی قبرہ سے استدلال ہے کہ میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔ لہٰذا دنیاوی قبر میں جسد عنصری کو ہی عذاب وراحت ہوتا ہے۔ حیات فی القبر کے مدعین کا یہ استدلال ہے۔ جبکہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کی جو وضاحت فرمادی ہے اس سے اس باطل نظریہ کے تار پود ہی بکھر جاتے ہیں:

عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ، وَذُكِرَ لَهَا أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ، يَقُولُ: " إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ "، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: يَغْفِرُ اللَّهُ لِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَمَا إِنَّهُ لَمْ يَكْذِبْ، وَلَكِنَّهُ نَسِيَ أَوْ أَخْطَأَ، إِنَّمَا مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى يَهُودِيَّةٍ يُبْكَى عَلَيْهَا، فَقَالَ: " إِنَّهُمْ لَيَبْكُونَ عَلَيْهَا، وَإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا (صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۱۵۶)

عمرہ بنت عبدالرحمن نے خبر دی کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا (اس موقع پر) ان کے سامنے بیان کیا گیا تھا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میت کو زندہ کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ ابوعبدالرحمن کو معاف فرمائے یقیناً انھوں نے جھوٹ نہیں بولا لیکن وہ بھول گئے ہیں یا ان سے غلطی ہوگئی ہے (امر واقع یہ ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی عورت (کے جنازے) کے پاس سے گزرے جس پر آہ وبکار کی جارہی تھی تو آپ نے فرمایا: یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں اور اس کو اس کی قبر میں عذاب دیا جارہا ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ المیت یعذب فی قبرہ کا پس منظر یہودی عورت کے جنازے پر رونے کا واقعہ تھا۔ یہ میت یا جسد عنصری پر عذاب کا بیان نہیں ہے۔ تب ہی تو یہودیہ کے جنازے پر آہ وبکا کو دیکھ کر کہا گیا کہ یہ اس پر رو رہے ہیں جبکہ اس کو اس کی قبر میں عذاب دیا جارہا ہے۔ جنازے پر رونے کے وقت یہودیہ کو قبر میں ہونے والے عذاب کا بتایا گیا ہے یہ جسد عنصری پر عذاب کا اثبات کیسے ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ تو عالم برزخ میں روح پر عذاب ہونے کی دلیل ہے۔ جسد عنصری، میت تو ابھی دفن ہی نہ ہوئی تھی اور اس کو اس کی قبر میں عذاب دیا جارہا تھا۔ ''المیت یعذب فی قبرہ'' کا یہ پس منظر ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتادیا ہے جو ان حیات فی القبر کے ماننے والوں کی بدعقیدگی پر ایک تیشہ ہے۔ المیت یعذب فی قبرہ سے مراد میت مردہ جسد عنصری نہیں بلکہ وہ شخصیت ہے جس کی وہ میت یا لاشہ ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت اس واقعہ سے بھی ہورہی ہے ملاحظہ ہو:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا : فَلَمَّا مَاتَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ذَكَرْتُ ذَلِكَ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا , فَقَالَتْ : رَحِمَ اللَّهُ عُمَرَ . وَاللَّهِ مَا حَدَّثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَيُعَذِّبُ الْمُؤْمِنَ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ وَلَكِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , قَالَ : إِنَّ اللَّهَ لَيَزِيدُ الْكَافِرَ عَذَابًا بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ ، وَقَالَتْ : حَسْبُكُمُ الْقُرْآنُ وَلا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى سورة الأنعام آية 164 , قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا : عِنْدَ ذَلِكَ , وَاللَّهُ هُوَ أَضْحَكَ , وَأَبْكَى , قَالَ : ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ وَاللَّهِ مَا قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا شَيْئًا

(صحیح بخاری حدیث نمبر ۱۲۸۸)

ابن عباس فرماتے ہیں جب عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو میں نے اس حدیث کا ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ عمرؓ پر رحم فرمائے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اللہ مومن پر اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب کرے گا۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کافر کا عذاب اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے اور زیادہ کر دیتا ہے۔ اس کے بعد کہنے لگیں کہ قرآن کی یہ آیت تم کو بس کرتی ہے کہ کوئی کسی کے گناہ کا ذمہ دار اور اس کا بوجھ اٹھانے والا نہیں۔ اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس وقت (یعنی ام ابان کے جنازے میں) سورۃ النجم کی یہ آیت پڑھی اور اللہ ہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تقریر سن کر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کچھ جواب نہیں دیا۔

مذکورہ بالا روایت کے الفاظ پر غور فرمائیں اس کے الفاظ ہیں:

وَاللَّهِ مَا حَدَّثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَيُعَذِّبُ الْمُؤْمِنَ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ وَلَكِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , قَالَ : إِنَّ اللَّهَ لَيَزِيدُ الْكَافِرَ عَذَابًا بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ،

ان الفاظ اور وضاحت سے صاف عیاں ہو رہا ہے کہ یہ الفاظ بطور خاص میت پر عذاب کے لیے نہیں آئے بلکہ مرنے والے انسان سے متعلق آئے ہیں۔ تب ہی ام المومنین نے مومن پر عذاب کی نفی کرتے ہوئے کافر کے عذاب میں اضافہ ہونا بتایا ہے۔ مرنے والا مومن ہوتا ہے یا کافر، مرنے والے کی شخصیت سے متعلق بات کی گئی ہے کہ کافر کے عذاب میں اضافہ ہوتا ہے۔ عذاب کافر کے لیے بتایا گیا ہے۔ اس سے میت، مردہ کے جسد عنصری پر عذاب پر استدلال لانا درست نہیں ہے۔

ارضی قبر کا، کشادہ یا تنگ ہونا، جنت یا جہنم ہونا:

دنیاوی قبر مرنے والے کی جائے دفن ہے۔ موت سے ہمکنار ہونے والی شخصیت سے اس کے اہل وعیال، عزیز واقارب اور دیگر لوگوں کا آخری طبعی معاملہ یہی تدفین کا ہوتا ہے۔ یہ دنیاوی قبر جو کہ مٹی کا گڑھا ہوتی ہے، مردہ جسد خاکی کو چھپانے کا ذریعہ ہے۔ حیات وسماع فی القبر کے قائلین نے اس کو عذاب وراحت کا مقام، عالم برزخ، عالم آخرت وغیرہ قرار دے لیا ہے۔ ان کے نظریہ کے مطابق مٹی کے اس گڑھے میں موجود جسد خاکی میں روح لوٹ آتی ہے اور یہیں پر فرشتے آ کر اسے بٹھاتے ہیں، سوال وجواب کرتے ہیں اور یہیں صاحب قبر عذاب یا راحت سے دو چار ہوتا ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق یہ دنیاوی قبر جو مٹی کا گڑھا ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہو جاتا ہے۔ یہی ارضی قبر ان کے بقول کشادہ یا تنگ کی جاتی ہے۔ یہ دونوں نظریات زمینی قبر کا کشادہ ہونا اور جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہونا دراصل جسد عنصری کی حیات وسماع کے حق اور تائید میں لائے جاتے ہیں۔ حقیقت مگر اس کے برعکس ہے۔ دنیاوی قبر جو مٹی کا گڑھا ہوتا ہے نہ تو کشادہ ہوتی ہے نہ تنگ ہوتی ہے۔ نہ ہی زمین کا گڑھا جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا بنتا ہے۔ آج تک کسی نے زمین میں اس تغیر وتبدل کو نہیں دیکھا ہے۔ زمین کے حدود اربعہ میں نہ ہی اس کی گنجائش ہے۔ بہت سی وجوہات کی بنا پر قبریں کھولی بھی جاتی ہیں، مردے نکالے بھی جاتے ہیں مگر اس طرح کا کوئی معاملہ قبروں میں موجود نہیں ہوتا۔ مرنے والوں کے لیے عذاب یا راحت کا سلسلہ قیامت تک کے لیے ہے۔ یہ زمینی قبریں امتداد زمانہ، قدرتی عوامل سیلاب بارش وغیرہ کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہیں۔ قبرستان میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بھی پرانی قبروں کی جگہ نئی قبریں لے لیتی ہیں۔ اگر یہی قبریں تنگ یا کشادہ ہو کر راحت یا عذاب دینے کا ذریعہ بنتیں تو پرانی قبریں برباد ہونے پر یہ سلسلہ بھی ختم سمجھا جانا چاہیے۔ جس بندے کے لیے عذاب کا سلسلہ ختم کرانا ہو لواحقین اس کی قبر ہی ختم کرا دیں، گویا قبر کے عذاب یا راحت کے معاملات انسانی دسترس میں ہوئے، جب چاہا عذاب والے کا عذاب ختم کروا دیا، راحت والے کی راحت ختم کروا دی۔ فیاللعجب! یہ سب باتیں تو ان لوگوں کے باطل دعوے کے ذیل میں ہیں جو اس دنیاوی زمین کے گڑھے والی قبر کو کشادہ یا تنگ ہونا مانتے ہیں اور اس زمینی گڑھے کو جنت یا جہنم سمجھتے ہیں۔ جو لوگ اس دنیاوی قبر کے کشادہ یا تنگ ہونے، اس میں جنت یا جہنم اتر آنے کے قائل ہیں درحقیقت وہ بھی اس دنیاوی قبر کے علاوہ کسی اور ہی قبر کا اثبات کرتے ہیں۔ جو نظر نہیں آتی، کشادہ یا تنگ ہوتی ہے۔ جنت کی آسائشات یا جہنم کی ہولناکی سے پر ہوتی ہے۔ یہ سب خصوصیات چونکہ ہاتھوں سے بنائی جانے والی قبر کی نہیں ہیں، لامحالہ یہ ایسی قبر سے متعلق ان کے نظریات ہیں جو نظر نہیں آتی۔ اس طرح ان کے اپنے نظریے کی رو سے یہ دوسری قبر ہوئی جہاں یہ عذاب وراحت کے معاملات مان رہے ہیں۔ اس بنا پر برزخی قبر،

فرضی قبر یا دوسری قبر کی طعنہ زنی ان کو زیب نہیں دیتی۔ ان ہی لوگوں کی طرف سے اکثر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ قبر صرف ایک ہی ہے وہ بھی صرف دنیاوی جوز مین کھود کر بنائی جاتی ہے۔ مگر ان کے اپنے نظریہ میں یہ دوسری قبر موجود ہے جو کشادہ بھی ہورہی ہے اور تنگ بھی۔ جو جنت کا باغ یا دوزخ کا گڑھا بن جاتی ہے۔ ان حیات فی القبر کے متوالوں کی طرف سے جتنی چیزیں پیش کی جاتی ہیں وہ اپنے ہاتھوں سے بنائی گئی چھ فٹ کی قبر سے متعلق ہوتی ہیں مگر کمال ہوشیاری سے ایک دوسری قبر اس کے بطن سے نکال لاتے ہیں جو نظر نہیں آتی۔ اس نظر نہ آنے والی قبر میں مرنے والے پر عذاب یا راحت کو مانتے ہیں۔ بالکل اسی طرح روایات سے مرنے والے کے جسد عنصری پر عذاب یا راحت کا استدلال پیش کرتے ہیں اور پھر یہ سب معاملات کسی نظر نہ آنے والے جسم پر مانتے ہیں۔ نظر آنے والی زمینی قبر اور ان کی دریافت کردہ نظر نہ آنے والی قبر ان دونوں کو ایک ہی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح جسد عنصری اور نظر نہ آنے والے جسم کو ایک ہی قرار دے کر گویا جاگتی آنکھوں خواب دیکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان ہر دو کے نظر نہ آنے کی وجہ برزخ کو بتایا جاتا ہے۔ برزخ کی اصطلاح کا یہ خود ساختہ و پرداختہ مفہوم ہے۔ عالم دنیا میں زمین کھود کر اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی قبر اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا گیا مردہ جسم عالم برزخ میں تصور کیا جانے لگتا ہے۔ یہ سب ان کا خود ساختہ تصور برزخ ہے۔ قبر اور مردہ یہیں دنیا میں موجود ہوتا ہے، اسے عالم برزخ میں باور کرایا جاتا ہے۔ عالم دنیا کو عالم برزخ قرار دے لینے سے ان کا کام چلتا ہے۔ یہی مردہ زندہ، سننے، سمجھنے والا ہو گیا، یہ لوگوں کو نظر نہیں آتا تو اس کی وجہ برزخ کا پردہ ہے۔ برزخ تو مرنے والوں کے لیے قائم کی گئی ہے مگر یہاں تو زندوں کے لیے ہو کے رہ گئی۔ زندہ تو برزخ کا پابند مردے کو نہ دیکھ پائے نہ سن سکے ہے۔ مگر مردہ پر یہ قدغن نہیں، وہ زندوں کی سنے بھی اور سمجھے بھی۔ یہ حائل برزخ مردوں کے لیے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ معلوم ہوا حیات وسماع فی القبر کے قائلین کی برزخ یک طرفہ ہے۔ اللہ مرنے والوں کے لیے قائم کرتا ہے اور ان لوگوں نے اسے زندوں کے لیے مقرر کر کے اپنے عقیدے کے بے تکے پن کو چھپانے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ برزخ کی آڑ کے پیچھے مردوں کا زندوں کی پکاروں بپتاؤں کا سننا وغیرہ یہی وہ شرکیہ عقیدہ ہے جو ہر مشرک قوم اور گروہ کا رہا ہے۔ آج کے مشرک کا بھی یہی عقیدہ سب کے سامنے ہے کہ مردے برزخ کی آڑ کے باوجود زندوں کی سنتے ہیں۔ عوام کالانعام کا محاورہ تو ہے ہی، اہل حدیثوں کے عقیدے میں یہ بڑی شدت اور اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ ان کے عقیدے اور ان کے سلف کے عقیدے سے اگر یہ مسئلہ نکال لیا جائے تو ان کے پلے کچھ نہیں بچتا۔

میت کی جائے دفن قبر ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اختلاف تو اس پر ہے کہ یہ قبر جسے انسان خود کھود کر بناتا ہے یہ عذاب وراحت کی جگہ یا مقام نہیں ہے۔ یہ عالم دنیا ہے جو مادی اور عنصری ہے۔ اس عالم کا خالق اللہ

رب العالمین ہے۔اس میں جاری اسباب وعلل کے سارے قوانین اس کے تخلیق کردہ اور مقرر کردہ ہیں۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔کامیاب ہونے والے کے لیے جنت اور ناکام کے لیے جہنم تیار کر کے رکھی گئی ہیں۔ یہ دونوں مقام باقاعدہ موجود ہیں۔اس زمین کو جنت یا جہنم قرار دے لینے والے درحقیقت اس کے منکر ہیں۔ یہ گروہ آخرت کا انکاری ہے۔ حیات وسماع فی القبر کے مشرکانہ عقائد رکھنے والے بھی جنت وجہنم زمین پر آجانے کے قائل ہیں۔زمینی قبر کو جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا مانتے ہیں۔جنت کی نعمتیں اور جہنم کی سختی اس زمین کے لیے نہیں ہیں۔نہ زمین اس کی متحمل ہی ہوسکتی ہے۔خالق کائنات نے اسے دنیا کی زندگی کے لیے موافق بنایا ہے۔جنت کی نعمتوں کا ذکر احادیث میں آیا ہے،ان کے بموجب اس میں نہ بو ہوگی نہ گلنا سڑنا ہوگا،وہاں تو مشک وغیرہ کی خوشبو کا ذکر ہے۔جبکہ یہاں قبر میں جس کے متعلق گمان ہوتا ہے کہ وہ نیکوں کا رہے اس کے لیے قبر کو جنت کا ایک باغ سمجھا جاتا ہے،وہ بھی گلتا اور سڑتا ہے اس کے نتیجے میں بدبو کا اخراج ہوتا ہے۔اگر وہ جنت کے باغوں میں سے کسی باغ میں ہوتا یا جنت کے کسی ادنی درجہ میں بھی ہوتا تو وہ نہ گلتا نہ سڑتا نہ اس میں بدبو آتی کیونکہ یہ سب کچھ تو اللہ نے جنت میں رکھا ہی نہیں ہے۔اس سے زمینی قبر سے متعلق مغالطہ دور ہوجانا چاہیے۔امت کے سب سے بڑے ولی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وصیت اس مغالطہ کی بیخ کنی کردیتی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا, قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ, فَقَالَ: " فِي كَمْ كَفَّنْتُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟, قَالَتْ: فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ, وَقَالَ لَهَا: فِي أَيِّ يَوْمٍ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟, قَالَتْ: يَوْمَ الِاثْنَيْنِ, قَالَ: فَأَيُّ يَوْمٍ هَذَا ؟, قَالَتْ: يَوْمُ الِاثْنَيْنِ, قَالَ: أَرْجُو فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَ اللَّيْلِ فَنَظَرَ إِلَى ثَوْبٍ عَلَيْهِ كَانَ يُمَرَّضُ فِيهِ بِهِ رَدْعٌ مِنْ زَعْفَرَانٍ, فَقَالَ: اغْسِلُوا ثَوْبِي هَذَا وَزِيدُوا عَلَيْهِ ثَوْبَيْنِ فَكَفِّنُونِي فِيهَا, قُلْتُ: إِنَّ هَذَا خَلَقٌ, قَالَ: إِنَّ الْحَيَّ أَحَقُّ بِالْجَدِيدِ مِنَ الْمَيِّتِ إِنَّمَا هُوَ لِلْمُهْلَةِ, فَلَمْ يُتَوَفَّ حَتَّى أَمْسَى مِنْ لَيْلَةِ الثُّلَاثَاءِ, وَدُفِنَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ

(صحیح بخاری حدیث نمبر ۱۳۸۷)

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں (والد ماجد) ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں (ان کی مرض الموت میں) حاضر ہوئی تو آپ نے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تم لوگوں نے کتنے کپڑوں کا کفن دیا تھا؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ تین سفید دھلے ہوئے کپڑوں کا۔آپ کو کفن میں قمیض اور عمامہ نہیں دیا گیا تھا۔اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ بھی پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کس دن ہوئی

تھی۔انہوں نے جواب دیا کہ پیر کے دن۔ پھر پوچھا کہ آج کون سا دن ہے؟ انہوں نے کہا آج پیر کا دن ہے۔آپ نے فرمایا کہ پھر مجھے بھی امید ہے کہ اب سے رات تک میں بھی رخصت ہو جاؤں گا۔اس کے بعد آپ نے اپنا کپڑا دیکھا جسے مرض کے دوران میں آپ پہنے ہوئے تھے۔اس کپڑے پر زعفران کا دھبہ لگا ہوا تھا۔آپ نے فرمایا میرے اس کپڑے کو دھو لینا اور اس کے ساتھ دو اور ملا لینا پھر مجھے کفن انہیں کا دینا۔ میں نے کہا کہ یہ تو پرانا ہے۔فرمایا کہ زندہ آدمی نئے (کپڑے) کا مردے سے زیادہ مستحق ہے یہ تو پیپ اور خون کی نذر ہو جائے گا۔پھر منگل کی رات کا کچھ حصہ گزرنے پر آپ کا انتقال ہوا اور صبح ہونے سے پہلے آپ کو دفن کیا گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کہ عشرہ مبشرہ کے سرخیل ہیں، قبر میں پیپ اور خون ہو جانے کے قائل تھے۔انہیں جنت کی بشارت زبان نبوت سے ملی تھی۔وہ قبر میں پیپ اور خون ہو جانے کی بات کرتے ہیں۔دونوں میں سے ایک بات صحیح اور دوسری غلط ہے۔ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا حق تو وہی ہے، حیات فی القبر کے لوگوں کا اس زمینی قبر کو جنت کا کوئی حصہ قرار دے لینا باطل اور ناحق ہے۔مختلف مسالک کے لوگ اپنے پیشواؤں کی قبروں سے خوشبویں اٹھنے کے قصے سنایا کرتے ہیں وہ سب جعلی اور من گھڑت کہانیاں ہی ہیں۔کسی بھی قبر کو کھول کر آج بھی خوشبو اور بدبو کا تجربہ کیا جا سکتا ہے۔حیرت انگیز طور پر کوئی اس کے لیے تیار نہیں ہوتا۔اسی طرح قبر کو جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا قرار دے لینے کا معاملہ ہے۔جہنم کی ہولناکی اور شدت ایسی کہ یہ زمین اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔اس کا بعض حصہ بعض کو برباد کر دینے والا بتایا گیا ہے۔اس زمین پر اس کو لے آنے والے ذرا نہیں سوچتے کہ انجام گلستاں کیا ہوگا؟ دنیا والے تو گلوبل وارمنگ سے پریشان ہیں۔

برزخی جسم:

مرنے کے بعد قیامت سے پہلے ہر انسان کے لیے آزمائش اور حسب حیثیت راحت یا عذاب ہے۔یہ سب عالم برزخ کے معاملات ہیں۔دنیاوی جسم خاک سے اٹھا ہے، مرنے کے بعد پیوند خاک ہو جاتا ہے۔روح پر عالم برزخ میں سارے مراحل گزرتے ہیں۔عالم برزخ کا عذاب ہو یا راحت دونوں ہی جسمانی ہیں۔اس سے متعلق قرآن وحدیث سے جس قدر علم حاصل ہوتا ہے اس کی رو سے جس انسان کی روح ہوتی ہے اس کی شخصیت کا اس میں پورا ڈیٹا (Data) اور شعور ہوتا ہے۔مگر روح کو لذت والم کے حصول کے لیے کسی آلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔جسم ہی اس کا آلہ ہے جو عذاب وراحت محسوس کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ابن جوزی لکھتے ہیں:

وقوله: فی حواصل طیر خضر دلیل علی أن النفوس لا تنال لذة الا بواسطة.

أن كانت تلك اللذة لذة منهم أو مشرب، فأما لذات المعارف والعلوم فيجوز أن تنالها بذاتها مع عدم الوسائط

(صید الخاطر لابن جوزی صفحہ ۵۰)

حدیث کے یہ الفاظ ''فی حواصل طیر خضر'' دلالت کرتے ہیں کہ ارواح جو لذت حاصل کرتی ہیں وہ کسی واسطہ سے حاصل کرتی ہیں اگر وہ لذت کھانے پینے والی لذت ہو، البتہ علوم و معارف کی لذت بغیر کسی واسطہ کے حاصل ہونا ممکن ہے۔

احادیث میں نبی علیہ السلام نے عالم برزخ سے متعلق جس قدر واقعات بیان فرمائے ہیں وہ سارے جسمانی ہیں۔ سر کا کچلا جانا، گلپھڑوں کا چیرا جانا، آنتوں کا پیروں تلے روندنا، بلی کا جسم کو نوچنا وغیرہ یہ سارے واقعات جسمانی عذاب کو ہی بیان کر رہے ہیں۔ انسان کو جو جسم دنیا میں حاصل تھا وہ تو یہاں دنیا ہی میں رہ جاتا ہے۔ اس دنیاوی جسم میں مرنے کے بعد اصلاح اور ریکوری (Recovery) کا عمل ختم ہو جاتا ہے صرف بربادی اور خرابی کا عمل ہی اس میں واقع ہوتا ہے نتیجتاً جسم کی شناخت مٹ جاتی ہے۔ عالم برزخ میں جس جسم کے ساتھ عذاب دیا جاتا ہے وہ البتہ باقی رہتا ہے تاکہ عذاب کا مزہ چکھتا رہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں ''**یفعل به کذا الی یوم القیامة**'' اس کے ساتھ ایسا (یعنی عذاب) قیامت تک ہوتا رہے گا۔ قیامت تک عذاب کا مزہ چکھنے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے دنیاوی جسم میں نہیں رکھی ہے۔ عالم برزخ میں اس کی مناسبت سے موزوں جسم ملتا ہے جس پر قیامت تک کا مرحلہ گزرنا ہے۔ جس قدر صحیح احادیث ہیں جن میں عذاب یا راحت کو بیان کیا گیا وہ سب جسمانی ہیں۔ اس جسم کو کوئی مثالی جسم سے تعبیر کرتا ہے تو کوئی اسے روح کا اپنا جسم کہتا ہے۔ ان کے نزدیک روح جسم ہی کی شکل میں ہوتی ہے۔ روح کے جسم کا نظریہ قرآن و حدیث سے مطابقت نہیں رکھتا۔ مثالی جسم کا نظریہ بھی اختراعی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرنے والوں کے پیچھے برزخ قائم کی ہے اس کی مناسبت سے یہ سب برزخی احوال اور برزخی معاملات ہیں۔ عالم برزخ میں ہونے والے عذاب کو برزخ کی نسبت سے عذاب برزخ کہا جاتا ہے، جس جسم پر عذاب دیا جاتا ہے اسے برزخ کی نسبت سے برزخی جسم کہا جاتا ہے۔ جسد عنصری پر دنیاوی قبر میں عذاب و راحت کے قائلین کا اصرار ہے کہ ''برزخی جسم'' قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ بار بار مطالبہ کیا جاتا ہے کہ حدیث میں برزخی جسم کے الفاظ دکھائے جائیں۔ یہ طفلانہ اعتراض، جاہلانہ مطالبہ ہے۔ معترضین کے حلقہ میں مگر بڑا پسندیدہ ہے۔ ''اموات غیر احیاء'' پر ایمان رکھنے والوں کے خلاف اسے کلیدی حربہ خیال کیا جاتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ جس کی اصل قرآن و حدیث میں موجود ہو اس پر عامیانہ اعتراض کرنا جہالت کی نشانی ہے۔ یہاں تو برزخی جسم کی صرف اصل ہی موجود نہیں بلکہ صاف طور پر ان اجسام پر بیتنے

والے احوال بتائے گئے ہیں۔جس کی اصل دین میں موجود ہو اس کو نشانہ بنانا ہلاکت کا موجب ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ابراہیم کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی مقرر کی گئی ہے۔ دودھ پلانے والی اور دودھ پینے والا دونوں کی صفات بدن کی ہیں۔اس کو جھٹلا کر کون سا کارنامہ انجام دیا جا رہا ہے۔ عالم برزخ میں جس قدر عذاب ہونے کی خبر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے وہ سب جسم کے ساتھ بتائی ہے۔اصل موجود ہونے کے باوجود اس کا انکار جہالت و ہٹ دھرمی کا مظہر ہے۔جس کی اصل قرآن یا حدیث میں موجود ہو اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے یہ نہیں جانتے۔ یہ باقاعدہ ایک الگ موضوع ہے۔ بڑی طویل فہرست اس کی بن سکتی ہے۔ یہاں یہ زیر بحث لانا ممکن نہیں، اسے کسی مناسب موقع پر زیر بحث لایا جائے گا۔ یہاں بس اس پر غور کر لیا جائے کہ قرآن کریم میں عذاب قبر کے الفاظ نہیں آئے ہیں مگر ان کے اور دیگر مسالک کے علماء کا کہنا یہی ہوتا ہے قرآن سے عذاب قبر ثابت ہے۔ یہاں الفاظ کی عدم موجودگی کے باوجود اسے قرآن سے ثابت مانا جاتا ہے۔مگر برزخی جسم کے معاملہ میں بڑا تعصب برتتے ہیں۔انہیں حدیث میں برزخی جسم لکھا ہوا چاہیے، ہر چند کہ احادیث میں عالم برزخ میں ان اجسام کا ذکر، بیان اور احوال آ چکا ہے۔حیرت انگیز طور پر ان کے اپنے ہاں برزخی زندگی کی اصطلاح خوب استعمال ہوتی ہے۔ یہ الفاظ کس صحیح حدیث میں آئے ہیں؟؟ اس کا جواب ندارد! اعادہ روح ''برزخی'' ہوتا ہے یہ بھی انہی موصوف زبیر علی زئی صاحب کا شوشہ ہے جن کو ''برزخی جسم'' کے الفاظ کی تلاش ہے۔انہی موصوف کا یہ مطالبہ رہا کہ برزخی جسم کے الفاظ دکھائے جائیں۔لطف یہ ہے کہ ان کے ممدوح اہل حدیث عالم اسماعیل سلفی ہیں۔حیات النبی کے موضوع پر اپنی ایک تحریر میں زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

> عقیدہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حیاتی و مماتی دیوبندیوں کی طرف سے بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں مثلاً مقام حیات، آب حیات، حیات انبیاء کرام، ندائے حق اور اقامۃ البرہان علی ابطال وساوس ہدایۃ لحیران وغیرہ اس سلسلے میں بہترین کتاب مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی ''مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ'' ہے۔(مقالات جلد ا صفحہ ۲۵)

زبیر علی زئی صاحب نے اسماعیل سلفی کی کتاب مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین کتاب قرار دیا ہے۔اس کتاب میں اسماعیل سلفی صاحب نے برزخی اجسام کو مانا ہے اور ان کو برزخی اجسام کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے۔انہوں نے آلوسی کی تفسیر کی عبارت پیش کی ہے:

> وعندی أن الحیوۃ ثابتۃ لکل من یموت من شھید وغیرہ وان الارواح وان کانت جواھر قائمۃ بأنفسھا مغایرۃ لما یحس بہ من البدن لکن لا من تعلقھا

ببدن برزخی مغایر لھذا البدن الکثیف"(ص۴۱،پ۲)

یعنی حیات برزخی سب کے لیے ثابت ہے شہید اور دوسرے سب اس میں شامل ہیں ارواح قائم بالذات ہیں (مذہب اہل سنت) اس محسوسی دنیوی بدن سے مغایر ہیں لیکن برزخی جسم سے تعلق میں کوئی مانع نہیں۔ یہ دنیوی کثیف بدن سے مختلف ہے۔

(مسئلہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۳۲،۳۱)

اسماعیل سلفی صاحب نے یہاں تو آلوسی کی عبارت کو اپنا مدعا بنایا ہے، آگے چل کے لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت یونس علیہ السلام کو احرام باندھے شتر سوار تلبیہ کہتے سنا، دجال کو بحالت احرام حج کے لیے جاتے دیکھا، عمرو بن لحیٔ کو جہنم میں دیکھا، یہ برزخی اجسام ہیں اور کشفی رویت ہیں۔ (ایضاً صفحہ ۳۶)

اسماعیل سلفی صاحب "برزخی جسم" پیش فرما گئے ہیں۔ لطف یہ کہ اسماعیل سلفی صاحب زبیر علی زئی کے ممدوح تو ہیں ہی، ان کی اسی کتاب کو بہترین قرار دے کر اس پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر چکے ہیں۔ برزخی جسم کا شوشہ اچھالنے والوں کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ زبیر علی صاحب ایک طرف برزخی جسم کے خلاف شوشہ چھوڑتے ہیں اور دوسری طرف برزخی جسم کا اثبات کرنے والی کتاب کو بہترین کتاب بھی بتاتے ہیں۔ ان حیات فی القبر کے متوالوں کی کوشش ہے کہ برزخی جسم کو شوشہ بازی سے نزاعی مسئلہ بنا دیا جائے تا کہ جسد عنصری کی حیات کا راستہ ہموار ہو جائے۔ مگر یہ ممکن نہیں، کیونکہ برزخی اجسام کا ذکر اور اس کے احوال کا بیان احادیث میں بڑی وضاحت سے موجود ہے۔ قرآن وحدیث میں جس مسئلہ کی اصل موجود ہو اسے نزاعی اور اختلافی مسئلہ بنانے کی ساری کوششیں لا حاصل ہونگی۔ قرآن سے دو زندگیاں ثابت ہیں اور مرنے کے بعد مرنے والا ہر قسم کی زندگی سے عاری ہوتا ہے یہ سب جسد عنصری کے ساتھ جو زندگی ہے اس سے متعلق ہے۔ انسان کی روح جو موت کے وقت قبض کی جاتی ہے اور فرشتے اسے نکال کر لے جاتے ہیں اس کے ساتھ اس کے نیک یا بد ہونے کے لحاظ سے اس کی مہمان نوازی ہوتی ہے۔ یہ سب وہاں ہوتا ہے جہاں روح کو لے جایا جاتا اور رکھا جاتا ہے۔ چونکہ مرنے والوں کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے، اس وجہ سے اسے اصطلاحاً عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ عالم برزخ میں روح کی مہمان نوازی کے بیان سے متعلق جس قدر احادیث آئی ہیں ان میں روح کی مہمان نوازی کسی جسم کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ جیسے عمرو بن لحی الخزاعی سے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ جہنم کی آگ میں اپنی آنتڑیاں اپنے ہی پیروں تلے روندرہا ہے۔ سر کچلنے کا عذاب وغیرہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ کے شیر خوار صاحبزادے ابراہیم کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی مقرر کی گئی ہے۔ یہ عالم برزخ کے معاملات ہیں جو وہاں

کے جسم کے ساتھ ہیں۔ دنیا اور دنیاوی جسم اور دنیاوی معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سب معاملات عالم برزخ کے ہیں۔ مردہ وقبر پرست عالم برزخ کے ان معاملات سے جسد عنصری کی تیسری زندگی کے جائز ہونے پر استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بالخصوص اہل حدیث فرقہ اس میں پیش پیش ہے۔ عام طور پر ان کی طرف سے جو نکتہ اٹھایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ عالم برزخ میں جب روح کا جسم کے ساتھ عذاب یا راحت مان لیا گیا تو یہ انسان کی تیسری زندگی ہوئی۔ ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ اگر اس کو انسان کی تیسری زندگی نہیں مانا جاتا، اگر اس کے باوجود دو زندگیوں کے قانون پر فرق نہیں پڑتا تو قبر میں روح کے لوٹ آنے، مردوں کے زندہ ہو جانے سے بھی تیسری زندگی کے قانون پر کوئی فرق نہیں آتا! برزخی جسم کے ساتھ ہونے والے عذابات کو جسد عنصری کی تیسری زندگی قرار دینا ایک دھوکہ ہے۔ عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش ہے۔ اللہ رب العزت نے دو زندگیوں اور دو موتوں کا نظام اور قانون دنیاوی جسم جسد عنصری کے ساتھ بتایا ہے۔ اسے عالم برزخ کے معاملات سے متعلق قرار دینا جاہلانہ شوشہ بازی ہے۔ انسان کے لیے دو زندگیوں سے متعلق اللہ کا نظام اور قانون دنیاوی جسم جسد عنصری کے ساتھ ہے قرآن سے یہ بالکل واضح ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۖ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۤ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۭ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۭ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ

(سورہ مومنون آیات ۱۲ تا ۱۶)

اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے پیدا کیا، پھر ہم نے اسے ٹپکی ہوئی بوند کی شکل میں ایک محفوظ جگہ پر رکھا، پھر ہم نے اس بوند کو جمے ہوئے خون کی شکل دے دی، پھر اس جمے ہوئے خون کو ایک لوتھڑا بنا دیا پھر اس لوتھڑے کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا، پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا پھر اسے ایسی اٹھان دی کہ وہ ایک دوسری ہی مخلوق بن کر کھڑا ہو گیا۔ غرض بڑی شان ہے اللہ کی جو سارے کاریگروں سے بڑھ کر کاریگر ہے! پھر اس سب کے بعد تمہیں یقیناً موت آنے والی ہے، پھر قیامت کے دن تمہیں یقیناً دوبار زندہ کیا جائے گا۔

قرآن کی درج بالا آیات سے واضح ہے کہ اللہ نے دو زندگیوں کا قانون جسد عنصری کی زندگی کے لیے رکھا ہے۔ دنیا کی یہ زندگی جسد عنصری والی ہے اور قیامت کے دن اسی کو دوبارہ اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن

میں انسان کی پیدائش کے وہ تمام مراحل بیان کر دیے ہیں جن سے گزر کر اسے وجود عنصری حاصل ہوتا ہے۔ اس وجود کے ساتھ وہ دنیا میں آتا ہے۔ دنیا کی اس زندگی کے بعد موت ہے اور اس کے بعد قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھایا جانا ہے۔ پیدائش کے سارے مراحل دنیاوی، حسی اور جسد عنصری کے ساتھ ہیں۔ ان ہی کی موت اور ان ہی کو قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھانے کا قانون بیان کیا گیا ہے۔ ابن آدم کی دنیا میں پیدائش سے پہلے عہد الست کا ذکر ہے اس وقت انسان کا عنصری وجود نہیں تھا مگر اقرار ربوبیت کا وقوعہ ہوا۔ اسی طرح دنیا میں زندگی کا وقت پورا ہونے پر جب فرشتے ظالم لوگوں کی روحیں قبض کرتے ہیں تو مرنے والے اس وقت اپنے آپ کو فرمانبردار ظاہر کرتے ہوئے برے کاموں سے بچنے والا بتاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ (سورہ نحل آیت ۲۸،۲۹)

جن کی روحیں فرشتوں نے اس حالت میں قبض کیں جب انہوں نے اپنی جانوں پر (کفر کی وجہ سے) ظلم کر رکھا تھا اس موقع پر وہ لوگ بڑی فرمانبرداری کے بول بولیں گے کہ ہم تو کوئی برا کام نہیں کرتے تھے۔ (ان سے کہا جائے گا) کیسے نہیں کرتے تھے؟ اللہ کو سب معلوم ہے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو، لہٰذا اب ہمیشہ جہنم میں رہنے کے لیے اس کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، کیونکہ تکبر کرنے والوں کا یہی برا ٹھکانا ہے۔

یہ سارا بیان روح کے حوالہ سے ہوا ہے۔ دنیاوی جسم جسد عنصری سے اس گفتگو کا کوئی تعلق نہیں۔ جب فرشتے روح قبض کر لیتے ہیں تو یہ ساری گفتگو ہوتی ہے۔ مرنے والے کی روح موت کے بعد کا احوال دیکھ کر فوراً اپنے آپ کو فرمانبرداروں میں سے ہونے اور برے کام نہ کرنے والا بتانے لگتی ہے۔ عہد الست ہو یا مرنے کے بعد کے معاملات یہ دونوں جسد عنصری کے ساتھ نہیں۔ دو زندگیوں اور دو موتوں کے قانون الٰہی کا اطلاق اس پر کرنا جہالت اور ہٹ دھرمی ہے۔ زندہ انسان جسم اور روح کا مرکب ہوتا ہے موت آنے پر روح قبض کر لی جاتی ہے اور دنیا سے لے جائی جاتی ہے۔ اب مردہ انسان تو لاش، بے روح جسد عنصری ہوتا ہے۔ روح جسم سے نکل جانے کے بعد باشعور ہوتی ہے، اس کے ساتھ سارے معاملات ہوتے ہیں۔ دو زندگیوں کا قانون اور نظام جسد عنصری والی زندگی سے متعلق ہے۔ اس میں تیسری زندگی ماننا قرآن کا کفر ہے۔ موت کے وقت فرشتے روح قبض کرتے اور نکال کر لے جاتے ہیں۔ قرآن میں متعدد مقام پر اس کا ذکر ہے۔ اور حدیث میں بھی یہی بات بیان ہوئی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : " إِذَا خَرَجَتْ رُوحُ الْمُؤْمِنِ تَلَقَّاهَا مَلَكَانِ يُصْعِدَانِهَا ، قَالَ حَمَّادٌ: فَذَكَرَ مِنْ طِيبِ رِيحِهَا، وَذَكَرَ الْمِسْكَ، قَالَ: وَيَقُولُ: أَهْلُ السَّمَاءِ رُوحٌ طَيِّبَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكِ وَعَلَى جَسَدٍ كُنْتِ تَعْمُرِينَهُ، فَيُنْطَلَقُ بِهِ إِلَى رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ، ثُمَّ يَقُولُ: انْطَلِقُوا بِهِ إِلَى آخِرِ الْأَجَلِ، قَالَ: وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا خَرَجَتْ رُوحُهُ، قَالَ حَمَّادٌ، وَذَكَرَ مِنْ نَتْنِهَا ، وَذَكَرَ لَعْنًا ، وَيَقُولُ أَهْلُ السَّمَاءِ : رُوحٌ خَبِيثَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ، قَالَ : فَيُقَالُ : انْطَلِقُوا بِهِ إِلَى آخِرِ الْأَجَلِ " ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : فَرَدَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَيْطَةً كَانَتْ عَلَيْهِ عَلَى أَنْفِهِ هَكَذَا (صحیح مسلم حدیث نمبر ۷۲۲۱)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: جب مومن کی روح نکل جاتی ہے تو وہ فرشتے اس (روح) کو لیتے ہیں اور اسے اوپر کی طرف لے جاتے ہیں۔ حماد نے کہا: انھوں نے اس کی خوشبو کا ذکر کیا اور کستوری کی بات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آسمان والے کہتے ہیں۔ یہ ایک پاکیزہ روح ہے زمین والوں کی طرف سے آئی ہے (اے روح مومن!) تجھ پر اور اس جسم پر جسے تو نے آباد کیے رکھا اللہ کی رحمت ہو۔ چنانچہ اسے اس کے رب عزوجل کے پاس لے جایا جاتا ہے پھر وہ فرماتا ہے۔ اسے مقرر شدہ آخری مدت تک کے لیے (عالی شان ٹھکانے پر) لے جاؤ۔ فرمایا: اور کافر، جب اس کی روح نکلتی ہے۔ حماد نے کہا: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بدبو اور (اس پر کی جانے والی) لعنتوں کا ذکر کیا۔ اور آسمان والے کہتے ہیں۔ گندی روح ہے زمین کی طرف سے آئی ہے فرمایا: تو کہا جاتا ہے اسے مقرر شدہ آخری مدت تک کے لیے (برے ٹھکانے پر) لے جاؤ۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر جو آپ کے جسم مبارک پر تھی اس طرح موڑ کر اپنی ناک پر رکھی۔

اہل حدیثوں نے پورے قرآن کے خلاف اور مسلم کی اس حدیث کے خلاف ایک منکر اور غریب روایت پر اپنا عقیدہ بنا رکھا ہے۔ قرآن کو نہیں مانتے، صحیح حدیث کو نہیں مانتے، زاذان نامی ایک شخص نے اپنے شاگرد منہال بن عمرو کو افسانہ سنایا اور اس نے اس افسانے کو حدیث کے نام سے پیش کیا ہے۔ اس کو انہوں نے اپنے عقیدے کا جز لاینفک بنا رکھا ہے۔ یہاں یہ بھی معلوم ہو کہ اس روایت کو بیان کرنے میں یہ لوگ منفرد ہیں یعنی ان کے علاوہ کسی نے بھی یہ روح کے لوٹ آنے کے الفاظ بیان نہیں کیے ہیں۔ یہ کون سا دین ہے جو زاذان شیعہ نے اپنے شیعہ شاگرد منہال بن عمرو کے کان میں پھونکا اور اس نے حدیث کے نام پر اسے بیان کر کے پھیلا دیا ہے؟

امام احمد بن حنبل کا عقیدہ عود روح

قبر پرستی کے پیچھے صاحب قبر سے متعلق بعض گمراہ کن نظریات موجود ہوتے ہیں۔ جن میں قبر والوں کو زندہ سمجھا جانا سرفہرست ہے، ان سے متعلق یقین ہوتا ہے کہ وہ دنیا والوں کی پکاروں اور فریادوں کو سنتے ہیں۔ پکاروں فریادوں کو سن کر ان کی مشکل کشائی کرتے ہیں۔ صاحب قبر سے متعلق اس قبیل کے نظریات قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہیں۔ کفر وشرک پر مبنی ہیں۔ قرآن وحدیث کے بیان کے مطابق صاحب قبر تو مردہ ہوتا ہے ان میں زندگی ہونا تو دور کی بات ہے اس کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ مردے نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ اجابت کرنا تو اس سے آگے کی بات ہے جو نہ سن سکتے ہوں نہ سمجھ سکتے ہوں جنہیں کوئی شعور نہ ہو جو اپنے لیے کچھ نہ کر سکتے ہوں وہ بھلا اجابت کیا کریں گے۔ مردے تو گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل جاتے ہیں۔ یہ ساری وضاحت قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ پھر بھی ان مردوں سے متعلق عقیدہ ہے کہ مردے میں روح لوٹ آتی ہے وہ زندہ ہو جاتا ہے۔ جب روح لوٹ آنے کا عقیدہ اختیار کر لیا گیا تو پھر مردے میں دیگر کمالات ماننا آسان ہو گیا۔ روح لوٹ آنے کا عقیدہ ہی دراصل اس سارے بگاڑ کی جڑ ہے۔ قرآن وحدیث کو پس پشت ڈال کر اسے اسلامی عقیدے کے عنوان سے رائج کر دیا گیا ہے۔ قرآن وحدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ سراسر باطل عقیدہ ہے خواہ اسے اسلامی عقیدہ کہا اور مانا جائے۔ اس طرح کے اباطیل اسی صورت میں پنپتے ہیں جب ان کی سرپرستی مشہور ومعروف اور مقتدر شخصیات کی طرف سے کی جاتی ہے۔ بدقسمتی سے روح لوٹ آنے کے عقیدے کو امام احمد بن حنبل کی سند جواز حاصل ہے۔ اس امت میں وہ ہی اس عقیدے کے سرپرست بنے ہیں۔ انہیں اس دور کے ہاٹ ایشو (Hot Issue) خلق قرآن کے مسئلہ میں حکومت وقت کے سامنے ڈٹ جانے پر شہرت حاصل ہوئی، انہوں نے جب اس عقیدے عود روح کی آبیاری کی تو یہ خوب برگ وبار لایا۔ اس کی ترویج کے لیے وہ فرماتے ہیں:

والإيمان بمنكر ونكير، وعذاب القبر،والايمان بملك الموت يقبض الأرواح، ثم ترد في الأجساد في القبور، فيسألون عن الإيمان والتوحيد۔

(طبقات حنابلہ، المناقب الامام احمد بن حنبل لابن جوزی)

''ایمان ہونا چاہیے منکر ونکیر اور عذاب قبر پر، اور اس پر بھی ایمان ہونا چاہیے کہ ملک الموت روحیں قبض کرتا ہے پھر وہ قبروں میں جسموں میں لوٹائی جاتی ہیں اور ان سے ایمان وتوحید کے بارے میں سوال ہوتا ہے''

اس طرح انہوں نے اس عقیدے کی ترویج کی ہے۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ امت میں اس عقیدے

کے سرخیل ہیں۔ زاذان اور اس کے شاگرد منہال کے افسانہ عود روح کو امام احمد نے قبول کر کے گویا اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اب ہر مسلک ہر فرقہ اس کا مدعی ہے۔ اس باطل عقیدے کی بیخ کنی کے لیے صرف یہی ضروری نہیں ہے کہ اس عقیدے کو رد کیا جائے بلکہ اسے سند جواز دینے والے امام احمد کی گرفت بھی کی جانی چاہیے۔ ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں بڑے بھرپور انداز میں یہ کام کیا۔ اس سے قبر پرستی اور مردہ پرستی کرنے والوں کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ باطل پرستی کا جب بھی رد کیا جاتا ہے اس کے سرپرست کبھی بھی اسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا کرتے۔ چنانچہ حیات وسماع فی القبر کے سرپرست اپنے عقائد کے حق ہونے پر اصرار تو کرتے ہی ہیں۔ ساتھ میں اپنے امام احمد بن حنبل کے حق میں آواز بلند کرتے چلے آتے ہیں۔ امام احمد سے متعلق اقوال الرجال ان کا کل سرمایہ ہے۔ یہ اقوال صحیح وسقیم، ثابت وغیر ثابت کا طومار ہے۔ ان میں امام احمد کی قدر ومنزلت، عظمت ورفعت کا بیان اور ثنا خوانی ہوتی ہے۔ ان اقوال کو پیش کر کے سمجھتے ہیں ان کے امام کا عقیدہ عود روح گویا صحیح ثابت ہو گیا ہے۔ عود روح قرآن کے خلاف عقیدہ ہے کسی بھی شخصیت کی سرپرستی اور پشت پناہی سے یہ حق نہیں ہو سکتا خواہ وہ شخصیت دنیاوی عظمت اور رفعت کے کسی مقام پر فائز سمجھی جاتی ہو یا لوگوں کی بڑی اکثریت اس کی ثنا خواں ہو۔ عود روح کے عقیدے کو حق ثابت کرنے کے لیے قرآن وحدیث سے دلیل چاہیے جو کہ ناپید ہے۔ البتہ اس کی تردید سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ امام احمد بن حنبل سے متعلق بڑی شدومد سے دوسری بات یہ کی جاتی ہے کہ ان کی تعریف وتوصیف کرنے والوں میں بڑے بڑے لوگ شامل ہیں، آخر انہوں نے ان کی مذمت کیوں نہ کی۔ معاملہ یہ ہے کہ ہر دور کے کچھ ہاٹ اشوز ہوا کرتے ہیں احمد بن حنبل کے دور کا سب سے بڑا مسئلہ خلق قرآن کا تھا، اس مسئلہ میں احمد بن حنبل نے استقامت کا مظاہرہ کیا یہی ان کی وجہ شہرت بنا۔ سارا فوکس (Focus) لوگوں کی ساری توجہ اسی مسئلہ کی طرف رہی۔ امام احمد عذاب قبر کے حوالے سے اکثر بات کیا کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ انکی بھرپور توجہ اس مسئلہ کو حاصل رہی، وہ اکثر اس پر اپنے ایمان وعقیدے کا اظہار کیا کرتے تھے۔ انکے الفاظ ان کا انداز اس معاملہ میں شدت کی غمازی کر رہے ہیں۔ اس دور میں شاید ہی کوئی اور ہو جو اس قدر اس معاملہ میں شدت رکھتا ہو۔ دیگر آئمہ کے بھی اس سے متعلق اقوال ملتے ہیں مگر جو شدت امام احمد کے ہاں پائی جاتی ہے وہ کسی اور میں نظر نہیں آتی۔ امام احمد کے عقیدے عود روح کی مذمت کیوں نہ کی گئی؟ یہ سوال درحقیقت سطحی نکتہ نظر کی غمازی کرتا ہے۔ قرآن وحدیث سے جو مسئلہ قطعیت سے ثابت ہو وہ لوگوں کے قبول اور رد سے تعلق نہیں رکھتا۔ قرآن نے جب ''اموات غیر احیاء'' بغیر زندگی کے مردہ ہونے کا فیصلہ سنا دیا اب ساری دنیا بھی اس کے خلاف ہو اس کی حیثیت پر کاہ کی بھی نہیں ہوگی۔ اور جہاں تک یہ بات رہی کہ لوگوں نے ان کی گرفت کیوں نہ کی؟ اس کے لیے ہمارے یا کسی

اور کے پاس وہ ڈیٹا موجود ہی نہیں جس کی رو سے ان کی گرفت ہونے یا نہ ہونے کا کوئی حتمی فیصلہ کیا جا سکے۔ امام احمد کا عقیدہ عود روح کس کے سامنے من وعن آیا کس کے سامنے نہیں آیا، کون خود اس عقیدہ کا حامی تھا اور کون اس کا انکاری، اس کا موثوق ڈیٹا بھی موجود نہیں۔ اور یہ سوال اٹھانے والوں کو ذرا اس پر غور کرنا چاہیے کہ امام احمد اپنے عقیدے کو ہمیشہ ہی تفصیل سے بیان نہ کرتے تھے۔ مختلف لوگوں کو انہوں نے مختلف انداز سے جوابات دیے ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے اپنے شاگرد عبدوس بن مالک کو فرمایا:

والایمان بعذاب القبر، وان هذه الامة تفتن فی القبورها، وتسأل عن الایمان والاسلام. ومن ربه؟ ومن نبیه؟ ویاتیه منکر و نکیر کیف شاء الله و کیف اراد، والایمان به والتصدیق به.

(طبقات الحنابلة جز ۱ صفحه ۲۴۳، ۲۴۴)

اور عذاب قبر پر ایمان ہونا چاہیے، اور یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے، ان سے ایمان و اسلام کے بارے میں سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تیرا نبی کون ہے؟ قبر میں منکر نکیر آتے ہیں جیسا اللہ چاہتا ہے جیسا ارادہ کرتا ہے اور اس پر ایمان ہونا چاہیے اس کی تصدیق کرنی چاہیے۔

امام احمد سے اس طرح کے اقوال کثرت سے ملتے ہیں۔ ان اقوال میں وہ فرشتوں کے نام منکر نکیر بتاتے رہے ہیں جو کہ قیل قال سے خالی نہیں ہے، مگر ان اقوال میں چونکہ صاف اور صریح الفاظ میں عود روح کا عقیدہ موجود نہیں لہٰذا ان کو اسی حد تک سمجھا اور لیا جاتا ہے۔ مگر جیسا کہ بتایا گیا کہ امام احمد سے اس حوالے سے کثرت سے اقوال ملتے ہیں۔ یہ ان سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات ہیں، جو الگ الگ وقت اور مختلف مواقع پر انہوں نے سائلین اور اپنے شاگردوں کو دیئے ہیں۔ یہ جوابات مختلف الفاظ اور مختلف پیرائے میں دیئے گئے ہیں۔ ان کا ایک قول تو اوپر پیش کر دیا گیا ہے۔ اب ایک اور ملاحظہ فرمائیں:

قیل له: وعذاب القبر و منکر و نکیر؟ قال ابو عبدالله: نومن بهذا کله ومن انکر واحدة من هذا فهو جهمی. (مسائل ابن هانی جلد ۱ صفحه ۱۹۱)

''احمد بن حنبل سے عذاب قبر اور منکر نکیر سے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم ان تمام پر ایمان لاتے ہیں اور جو ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرتا ہے وہ جہمی ہے۔''

امام احمد کے اس جواب سے واضح ہے کہ وہ اس سے متعلق وارد تمام روایات کو اپنے ایمان کا حصہ بناتے تھے۔ اس میں اس کی تفصیل تو موجود نہیں کہ وہ کون کون سی روایات ہیں جس پر وہ ایمان رکھتے تھے سوائے عمومی انداز کے سب پر ایمان لاتے ہیں کسی ایک کا بھی انکار نہیں کرتے۔ اس کی کچھ مزید وضاحت انہوں نے حنبل بن اسحاق سے

کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

حنبل بن إسحاق قال: قلت لأبي عبد الله في عذاب القبر فقال: هذه أحاديث صحاح نؤمن بها ونقر بها. كلما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم إسناد جيد أقررنا به. إذا لم نقر بما جاء به رسول صلى الله عليه وسلم ودفعناه رددنا على الله أمره. قال الله تعالى: وما اتكم الرسل فخذه.

(الروح لابن قیم)

''حنبل بن اسحاق نے کہا کہ میں نے ابوعبداللہ (احمد بن حنبل) سے عذاب قبر سے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ صحیح احادیث ہیں جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آنے والی تمام جید اسناد والی روایات پر ہم یقین رکھتے ہیں، اگر ہم تصدیق نہ کریں جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہے تو ہم نے اسے دور کر دیا، اور ہم نے اللہ کے حکم کو پھیر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جو کچھ رسول دیں اسے لے لو۔''

اس عبارت میں امام احمد بن حنبل نے ایمان لانے کی بات کی تھوڑی وضاحت کی ہے کہ وہ جید اسناد والی روایات پر ایمان اور یقین رکھتے ہیں۔ اب ان کے نزدیک جید اسناد کا کیا معیار ہے؟ اس کا جواب ان کے اقوال میں موجود ہے، ان کے اقوال ان کے معیار پر گواہ ہیں۔ کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں فرشتوں کے نام منکر ونکیر پر انہیں اصرار تھا۔ منکر نکیر ناموں پر وہ ایمان رکھتے تھے، یہ نام جس معیار کی روایت میں آئے ہیں وہ ہی امام احمد بن حنبل کی جید اسناد کا معیار ہے۔

أحمد بن القاسم قال: قلت يا أبا عبد الله تقر بمنكر ونكير وما يروى في عذاب القبر قال: سبحان الله نقر بذلك كله ونقوله قلت: هذه اللفظة تقول: منكر ونكير هكذا أو تقول: ملكين قال: منكر ونكير، قلت: يقولون: ليس في حديث: منكر ونكير قال: هو هكذا يعني أنهما منكر ونكير

(الروح لابن قیم)

''احمد بن قاسم نے کہا: اے ابوعبداللہ (احمد بن حنبل) آپ منکر نکیر اور عذاب قبر کے باب میں جو روایت ہوا ہے اسے تسلیم کرتے ہو؟ انہوں نے کہا سبحان اللہ ہم اس سب کے سب کو تسلیم کرتے اور ایسا ہی ہمارا کہنا ہے۔ میں نے کہا یہ جو آپ کے الفاظ منکر نکیر کے ہیں یہ اسی طرح ہیں یا آپ کا مطلب دو فرشتوں سے ہے۔ انہوں (احمد بن حنبل) نے جواب دیا منکر نکیر۔ میں نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ حدیث

میں منکر نکیر نہیں ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ یہ اسی طرح ہے یعنی وہ دونوں منکر ونکیر ہیں۔''

اوپر سطور میں احمد بن حنبل کے شاگرد عبدوس کے حوالے سے ان کے عقیدے سے متعلق عبارت پیش کی گئی ہے اسی میں امام احمد کا دوسرا نظریہ موجود ہے:

وأن النبي صلى الله عليه وسلم قد رأى ربه، فإنه مأثور عن رسول الله صلى الله عليه وسلم صحيح

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صحیح طریقہ سے نقل ہوا ہے۔''

امام احمد کا نظریہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دیکھا تھا۔ان کے اس نظریہ اور اس قول سے بھی ان کے صحیح کا معیار واضح ہو رہا ہے۔وہ اس قصہ میں مزید فرماتے ہیں:

والحديث عندنا على ظاهره، كما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم. والكلام فيه بدعة، ولكن نؤمن به كما جاء على ظاهره، ولا نناظر فيه أحدا۔

''ہمارے نزدیک حدیث اپنے ظاہر پر ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، اس میں کلام کرنا بدعت ہے۔لیکن ہم اس کے ظاہر کے مطابق ایمان رکھتے ہیں، اور ہم کسی ایک پر بھی نظر کا حکم نہیں لگاتے۔''

امام احمد عذاب قبر سے متعلق آنے والی ان تمام روایات پر ایمان وعقیدہ رکھتے تھے جنہیں وہ درست سمجھتے تھے۔محولہ اقوال امام احمد کے ہیں اور عذاب قبر سے متعلق ہی ہیں مگر ان میں صراحتاً اعادہ روح کی بات نہیں، انہوں نے جسموں میں روحیں لوٹائے جانے پر ایمان لانے کی تلقین اپنے رسالہ بنام مسدد بن مسرھد میں کی ہے۔

والإيمان بمنكر ونكير، وعذاب القبر. والايمان بملك الموت يقبض الأرواح: ثم ترد في الأجساد في القبور، فيسألون عن الإيمان والتوحيد۔

''ایمان ہونا چاہیے منکر ونکیر اور عذاب قبر پر، اور اس پر بھی ایمان ہونا چاہیے کہ ملک الموت روحیں قبض کرتا ہے پھر وہ قبروں میں جسموں میں لوٹائی جاتی ہیں اور ان سے ایمان وتوحید کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔''

اس میں امام احمد نے کھل کر اور تفصیل سے غیر مبہم انداز میں اپنا عقیدہ ''عود روح'' بیان کر دیا ہے۔اوپر امام احمد کے جتنے اقوال پیش کیے گئے ہیں اور جو پیش نہیں کیے گئے مگر کتابوں میں پائے جاتے ہیں ان سب کو ایک ساتھ پڑھا جائے تو ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ امام احمد نے عقیدہ ''عود روح'' یعنی حیات فی القبر کو پروموٹ

(Promote) کیا ہے۔ایک طرف قرآن ہے جس میں صاف طور پر''اموات غیر احیاء''موجود ہے۔دوسری طرف امام احمد کا فرمان ہے کہ قبر کے اندر مردہ جسموں میں روح لوٹ آتی ہے اس پر ایمان ہونا چاہیے۔امت کی اکثریت نے قرآن کو چھوڑ کر امام احمد کی بات کو اپنا عقیدہ بنایا اور اس کو درست ثابت کرنے کے لیے امام احمد کے مسلک کے مطابق منکر روایات کو جید اسناد قرار دے دے کر اپنے عقیدے کا جز لاینفک بنالیا ہے۔مردوں کی پرستش اور قبروں کی پوجا اسی بنیاد پر تو ہے کہ مردے زندہ ہوجاتے ہیں۔امام احمد نے روح لوٹائے جانے پر ایمان لانا ضروری قرار دے کر اسے امت کے ایمان کا حصہ بنادیا ہے۔قبر پرستی کے شجر خبیثہ پر اگر تیشہ چلانا ہے تو اس عقیدے کی بیخ کنی کرنی ہوگی۔اس کی بیخ کنی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کو ایمان کا جز قرار دینے والے امام کی گرفت نہ کی جائے۔ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں مردہ وقبر پرستی کے شجر خبیثہ پر تیشہ چلایا وہاں امام احمد کی بھی خبر لی ہے۔ انہوں نے **لومتہ لائم** سے بے پرواہ ہوکر طاغوت کے کفر کا حق ادا کیا۔حیات وسماع کے قائلین بھلا اسے کیسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرسکتے تھے۔چنانچہ ردعمل میں حیات فی القبر کا اثبات کرنے والی منکر اور موضوع روایات تک کو اس کی تائید میں لے آئے ہیں۔ان کا کارنامہ یہ بھی ہے بعض صحیح احادیث کے معنی اور تشریح اس عود روح والی روایت کی روشنی میں کرتے ہیں اور انہیں بھی اسی عقیدے کے حق میں بتاتے ہیں۔ان کے نزدیک یہ بھی اسی کا اثبات کرتی ہیں۔ایک طرف اس عقیدے کو حق ثابت کرنے کے لیے کوششیں ہیں تو دوسری طرف امام احمد کے رسالہ بنام مسدد کو تختہ مشق بنایا ہوا ہے۔وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ اس سے امام احمد کا جرم ثابت ہوتا ہے۔عجیب تماشہ ہے ایک طرف دعویٰ ہے کہ قبروں میں جسموں میں روحیں لوٹائی جاتی ہیں۔یہی دعویٰ امام احمد کے رسالہ بنام مسدد میں موجود ہے۔ دوسری طرف اس رسالہ سے متعلق شوشہ بازی کی جارہی ہے کہ یہ امام احمد کا رسالہ نہیں ہے۔انکا اپنا عقیدہ یہی ہے اور امام احمد کا عقیدہ بھی یہی بتاتے ہیں۔جب اپنا اور اپنے امام کا یہی عقیدہ مانتے ہو تو پھر کاہے کی پریشانی ہے؟ ان کی پریشانی کا جائزہ لے لیا جائے تاکہ ان کے مرض کا علاج ممکن ہوسکے۔امام احمد کے رسالہ بنام مسدد سے متعلق شوشہ بازی کا مقصد ظاہر ہے ان کا دفاع کرنا ہے مگر یہ دفاع یہ حمایت بے کار اور فضول ہے۔ظاہر ہے کہ اس طرح کی کوششوں سے حقائق بدلے نہیں جاسکتے۔ان کی شوشہ بازی کا محور رسالہ کے راوی کا مجہول ہونا ہے۔رسالہ بنام مسدد سے متعلق کہا جاتا ہے کہ امام احمد سے اسے نقل کرنے والا ابوبکر احمد بن محمد البردعی التمیمی مجہول ہے لہٰذا یہ رسالہ امام احمد کا نہیں ہے۔یہاں یہ شوشہ زبیر علی زئی صاحب نے چھوڑا ہے موصوف خود اپنی زندگی میں مردوں میں روحیں لوٹ آنے کے مبلغ رہے ہیں۔ذہن میں امام احمد کی وکالت کا سودا سمایا تو جذبات سے مغلوب ہوکر راوی مجہول ہے کا جھنڈا لے کر نکل پڑے۔رسالہ بنام مسدد ثابت نہیں ہے کے نعرے بلند کرتے رہے۔اس سے گویا انہوں نے گوہر نایاب پالیا

ہے۔حقیقت مگر یہ ہے کہ یہ مجہول والی کہانی موصوف کی نہیں ہے۔اس کے ''اصل تخلیق کار'' عبدالرحمن ابن مندہ المتوفی ۴۷۰ھ ہیں۔ابن مندہ صاحب کی کہانی نویسی کا مقصد تو کچھ اور تھا مگر زبیر علی زئی صاحب نے ابن مندہ کی کہانی کے کردار کو اپنی کہانی کے لیے موزوں پایا تو وہاں سے لے کر اپنی کہانی میں فٹ کر کے داد تحسین حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ابن مندہ کو اصل اعتراض تو اس پر تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے تو عرش خالی کیوں نہیں ہوتا، کیونکہ موصوف عرش خالی ہونے کے قائل تھے، ابوسعید النقاش المتوفی ۴۱۴ھ نے اسے اقوال اہل السنہ میں امام احمد کے رسالہ بنام مسدد سے نقل کیا ہے۔ابن مندہ تجسیم کی طرف مائل تھے۔اس وجہ سے ان کا کہنا تھا عرش خالی ہو جاتا ہے۔ انہوں نے احمد بن حنبل کا رد کرنے کے بجائے ان کے رسالہ بنام مسدد کو آڑے ہاتھوں لیا۔اور اسے رد کرنے کی کوشش کی۔کہا کہ ابوبکر احمد بن محمد البردعی التمیمی مجہول ہے۔ابن مندہ کا اس رسالہ کو رد کرنے کا مقصد عرش خالی نہیں ہوتا کا انکار کرنا تھا۔اس مسئلہ پر ابن تیمیہ نے ابن مندہ کا خوب رد کیا ہے۔احمد بن حنبل کے موقف کے مطابق دیگر ائمہ کے اقوال پیش کر کے عرش خالی نہیں ہوتا کو ہی صحیح قرار دیا ہے۔ابن مندہ کا مقصد کچھ تھا زبیر علی زئی صاحب کا مقصد کچھ اور رہا۔کنواں ابن مندہ نے کھودا زبیر علی زئی صاحب نے اس میں اپنا ڈول ڈال دیا۔ابن مندہ کے نظریہ کو ابن تیمیہ نے جمہور کے موقف سے رد کیا ہے. موصوف زبیر علی زئی کو یہی طریقہ سب سے زیادہ مرغوب رہا ہے۔وہ بھی جمہور کا پرچم بلند کرتے تھے۔زیر بحث مسئلہ میں ابن مندہ کا رد جمہور سے ہی کیا گیا ہے۔ابن تیمیہ شرح نزول حدیث میں کہتے ہیں:

ينزل، ولا يخلو منه العرش، و هو قول جمهور أهل الحديث، ومنهم الإمام أحمد، وإسحاق بن راهويه، وحماد بن زيد، وعثمان بن سعيد الدارمي، وغيرهم .

''اللہ تعالیٰ نزول فرماتا ہے، اور اس کا عرش خالی نہیں ہوتا یہی قول ہے جمہور اہل حدیث کا جس میں امام احمد، اسحاق بن راھویہ، حماد بن زید اور عثمان بن سعید دارمی وغیرھم شامل ہیں۔''

القائلون بأنه يخلو منه العرش طائفة قليلة من أهل الحديث، وجمهورهم على أنه لا يخلو منه العرش، وهو المأثور عن الأئمة المعروفين بالسنة، ولم ينقل عن أحد منهم بإسناد صحيح، ولا ضعيف أن العرش يخلو منه.

''عرش خالی ہو جاتا ہے، اہل حدیث میں سے ایک چھوٹا گروہ اس کا قائل ہے۔اور جمہور عرش خالی ہونے کے قائل نہیں، آئمہ معروف بالسنہ سے یہی منقول ہے۔اور کسی ایک سے بھی صحیح یا ضعیف نقل نہیں ہوا ہے کہ عرش خالی ہو جاتا ہے۔''

ابن تیمیہ نے ابن مندہ کا رد جمہور سے کیا ہے۔یہی طریقہ زبیر علی زئی صاحب اپنا بتاتے ہیں۔اس موقع

پر ابن تیمیہ نے عرش خالی ہونے سے متعلق ابن مندہ کا موقف تو رد کیا مگر ساتھ میں احمد بن حنبل کے رسالہ سے متعلق ابن مندہ نے جو منفی تاثر دیا تھا اس کی تردید بھی جمہور سے کی اور اس کا اثبات بھی جمہور کے حوالہ سے کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

وأما رسالة أحمد بن حنبل الى مسدد بن مسرهد فهى مشهورة عند أهل الحديث والسنة وأصحاب أحمد وغيرهم تلقوها بالقبول وقد ذكرها أبو عبدالله بن بطة فى كتاب الإبانة واعتمد عليها غير واحد كالقاضى أبى يعلى و كتبها بخطه (مجموع الفتاوى جلد ۵ صفحہ ۳۹۶)

''جہاں تک احمد بن حنبل کے رسالہ مسدد بن مسرھد کا معاملہ ہے، وہ اہل حدیث وسنت اور احمد کے اصحاب اور دیگر لوگوں کے درمیان مشہور ہے انہوں نے اسے قبولیت کا شرف دیا ہے، اور اس کا ذکر ابو عبداللہ ابن بطہ نے کتاب الابانہ میں کیا ہے۔ اور اس پر ایک سے زیادہ لوگوں نے اعتماد کیا ہے جیسے قاضی ابویعلی، انہوں نے اسے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا ہے۔''

ابن مندہ نے امام احمد کے رسالہ کو رد کیا تو اس کے جواب میں ابن تیمیہ اس کی مشہوری، جمہور یعنی اہل حدیث، اہل سنت، اصحاب احمد کو لے آئے۔ اور ان کے تلقوھا بالقبول اور آئمہ کے اعتماد کو لے آئے ہیں۔ ہر معاملہ میں جمہور کی دھائی دینے والے زبیر علی زئی صاحب نے اس معاملہ میں جمہور کو پس پشت ڈال دیا۔ ان کا عمومی طریقہ یہی ہے جب تک جمہور ان کے ہمنوا ہوں یہ ان کی دھائی دیتے ہیں اور جہاں ان کے مزاج اور موقف کے خلاف بات ہو تو وہ پھر اپنے نرالے اور انوکھے طرز عمل کو ہی حق گردانتے ہیں۔ اسے ان کے حواری ان کا منہج کہتے ہیں۔ ان کے نرالے اور انوکھے منہج سے ان کے اپنے مسلک کے اہل علم شدید اختلاف رکھتے ہیں۔ جس کا اظہار انہوں نے اپنی تحریروں میں کیا ہے۔ زبیر علی زئی صاحب جس ابن مندہ کے ہمنوا بنے ان سے متعلق لوگوں کی رائے بھی اچھی نہیں رہی ہے، الذہبی کی رائے ملاحظہ ہو:

قلت: أطلق عبارات بدعه بعضهم بها ، الله يسامحه وكان زعرا على من خالفه، فيه خارجية، وله محاسن، وهو فى تواليفه حاطب ليل و يروى الغث والسمين، وينظم ردىء الخرز مع الدر الثمين. (سير اعلام النبلاء)

''میں کہتا ہوں اس (ابن مندہ) کی عبارات میں بعض بدعت پر مشتمل ہیں، اللہ اسے معاف فرمائے، وہ اپنے مخالف پر بدمزاجی سے پیش آتا تھا اس میں خارجیت ہے اور اس کی خوبیاں بھی ہیں۔ اور وہ اپنی تالیفات میں حاطب اللیل ہے۔ کھرا کھوٹا سب روایت کرتا ہے، منکوں کو قیمتی موتیوں میں ساتھ پرو دیتا ہے۔''

یہ ابن مندہ کا تھوڑا سا تعارف ہے۔ جمہور کو چھوڑ کر زبیر علی زئی صاحب اس کے ہمنوا بنے اور امام احمد کے رسالہ بنام مسدد بن مسرھد کا رد شروع کر دیا۔ سند سند کی تکرار ان کا محبوب مشغلہ رہا اس میں انہاک اتنا بڑھا کہ ہر جگہ ہر معاملہ میں سند کا تقاضہ فرماتے خواہ وہ معاملہ سند کا متقاضی ہو یا نہ ہو۔ اس صنف میں اس سے متعلق قاعدہ خواہ کچھ اور ہو وہ سند اور صرف سند کی تکرار کرتے، لطف یہ کہ اپنے معیار پر خود بھی پورا نہ اتر سکے، اپنے منہج پر خود ہی نہ چل سکے۔ اس کی تفصیل کی بھی ضرورت نہیں ان کے اپنے مسلک کے لوگ انہیں آئینہ دکھا چکے ہیں۔ موصوف کے اس طرز اور طریقہ نے ان کے اپنے فرقہ میں ہلچل مچادی ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے ان کے نزدیک موصوف کے طفلانہ فلسفہ سے علمی سرمایہ کا بڑا حصہ ہاتھ سے جاتا ہے۔ فن اسماء رجال جیسا علم بھی ان کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں رہا۔ صحیح حدیث دین میں سے ہے، علم حدیث میں اسناد کی جو اہمیت اور ضرورت ہے وہ کسی طالب علم سے مخفی نہیں ہے۔ یہ بھی سب جانتے ہیں اس باب میں جو کام ہوا وہ کسی اور صنف میں نہیں ہوا۔ علم حدیث میں بھی اصول اور حلال وحرام اور دیگر احکام میں جو سختی برتی گئی وہ فضائل واعمال، ترغیب وترھیب وغیرہ میں نہیں برتی گئی۔ یہ تو خود حدیث کا معاملہ ہے جس کے لیے روایت ودرایت، سند ومتن، تاریخ وطبقات اور اسماء رجال کے تمام فنون کو بروکار لایا گیا ہے۔ تاریخ کا معاملہ ہمیشہ سے اس سے جدا رہا ہے۔ اس میں کبھی بھی وہ اہتمام نہیں کیا گیا جو احادیث کے لیے کیا گیا۔ جب اس میں وہ اہتمام کیا ہی نہیں گیا تو اس کو علوم الحدیث کے فنون کی کسوٹی پر پرکھنا ممکن ہی نہیں ہے۔ تاریخ کا علم، فن تاریخ کے اپنے اصول وضوابط ہیں۔ مگر ان پر اس طرح کام نہیں ہوا جس طرح اصول حدیث پر ہوا ہے۔ حدیث اور تاریخ میں قدر مشترک خبر ہے۔ مگر خبر خبر میں فرق ہوا کرتا ہے۔ حدیث کی خبر دین کے احکامات اور ضروریات پر مشتمل ہیں جبکہ تاریخ کی خبر کا میدان وسیع ہے۔ دونوں کے خبر ہونے کی جہت سے بعض فنون کا دونوں میں استعمال ہوا کرتا ہے۔ وہ کڑی شرائط جو احادیث کو قبول کرنے کے لیے لگائی گئی ہیں وہ تاریخی اخبار کے رد وقبول کے لیے نہیں کیونکہ ان کو مدنظر رکھ کر اس پر کام ہی نہیں ہوا۔ یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو جائے کہ تاریخی واقعات تاریخی اخبار اسناد سے مبرا نہیں ہیں۔ عرض یہ ہے کہ ان کے اور احادیث کے رد وقبول کا معیار یکساں نہیں ہے۔ ہر دور میں آئمہ نے اس فرق کو مدنظر رکھا ہے۔ اب اس دور میں غالی قسم کے مسلک پرست زبیر علی زئی صاحب نے کوئی نرالہ فلسفہ پیش کیا ہے۔ وہ فلسفہ یہ ہے کہ جب انہوں نے کسی کی مخالفت کرنی ہوتی ہے تو وہ ہر ہر مسئلہ میں مخالف سے سند کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہ سند بھی ان کے اپنے من گھڑت معیار پر پوری اترتی ہو ورنہ اسے مردود قرار دے ڈالتے ہیں۔ ان کی ذات مزاج اور فلسفہ کے خلاف ہر مسئلہ کم از کم مردود ہوتا ہے۔ دوسروں کے سامنے سند سند کا ورد کرنے والے دوسروں سے ہر بات کی سند کا مطالبہ کرنے والے خود اس معیار پر پورا نہ اتر سکے، اپنے موافق کتنی ہی چیزیں بلا سند پیش کر جاتے رہے ہیں۔ احمد بن حنبل کا رسالہ بنام مسدد

کوابن مندہ نے اپنے نظریہ ''یخلو منہ العرش'' کے خلاف پایا تو اسے انہوں نے راوی مجہول کہہ کر رد کیا تو ابن تیمیہ نے جس انداز اور طریقہ سے اس رسالہ کا اثبات کیا ہے اس سے حدیث اور تاریخی اخبار کے رد وقبول کا جو فرق ہے وہ ہی ثابت ہو رہا ہے۔ ابن تیمیہ نے کہا کہ یہ رسالہ اہل حدیث وسنت اور احمد کے اصحاب اور دیگر لوگوں کے درمیان مشہور ہے، انہوں نے اسے قبولیت کا شرف دیا ہے۔ اس پر قاضی ابی یعلی وغیرہ جیسے لوگوں نے اعتماد کیا ہے۔

ابن تیمیہ نے اس طرح ابن مندہ کی تردید بھی کی اور احمد بن حنبل کے رسالہ بنام مسدد کا اثبات بھی کر دیا ہے۔ کتب، رسائل کو اصول حدیث پر پرکھنے والوں کی غرض وغایت ظاہر ہے اپنے کسی مخصوص سوچ کے لیے ہوتی ہے ورنہ کتب اور رسائل کی ان کے مولفین ومصنفین کی طرف نسبت لوگوں کے بیان، لوگوں کے ماننے، لوگوں کے قبول کرنے پر ہمیشہ سے رہی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ لوگوں سے مراد ہر ایرا غیرا نہیں بلکہ وہ علماء ہیں جن کی شناخت ماہرین کے طور پر ہوتی ہے۔ امام احمد کا رسالہ بنام مسدد بن مسرھد کے متعلق ابن تیمیہ نے اسی لیے کہا ہے کہ یہ اہل حدیث وسنت اور اصحاب احمد میں مشہور ومعروف ہے۔ اس پر قاضی ابی یعلی جیسے لوگوں نے اعتماد کیا ہے۔ اس کو **تلقوھا بالقبول** بتایا ہے۔ کتب اور رسائل کی ان کے مولفین کی طرف نسبت کے لیے یہی اہم ہے۔ ورنہ اصول حدیث پر کتب اور رسائل کو پرکھا جائے تو شاید ہی کوئی کتاب اس کے مولف سے ثابت کی جاسکے۔ جن کتب کو اسنادی طور پر ثابت کہا جاتا ہے اول تو وہ اصول حدیث کی کسوٹی نہیں۔ محض سند کا ہونا اصول حدیث کی کسوٹی پر پورا اترنا نہیں ہوجاتا ہے۔ ہر دفعہ لوگوں کا اس کو مولف ومصنف کی کتاب ماننا ہی کردار ادا کرتا ہے۔ یہ لوگ مصنف ومولف کے دور کے ہوں تو سب سے بہتر مانا جاتا ہے اس کے بعد اس کے قریب کے زمانے کے لوگ ہیں۔ اسی طرح دور کے زمانے کے لوگوں کا قبول کرنا بھی اہم ہوتا ہے جبکہ وہ اس میدان کے ماہر اور حاذق ہوں۔ کتاب اور رسالہ کی کسی مولف اور صنف کی طرف نسبت میں لوگ اس کو اس کی کتاب یا رسالہ کے طور پر جانتے ہوں۔ زبیر علی زئی صاحب اور ان کے حواریوں کی ہوشیاری یہ رہی ہے کہ امام احمد کے رسالہ بنام مسدد بن مسرھد کا راوی مجہول ہے یہ تو ابن تیمیہ کی کتاب سے لے لیتے ہیں مگر ان کا اس کی بابت آخری فیصلہ شیر مادر کی طرح ہضم کر جاتے ہیں۔ کبھی ان کو یاد دلایا جاتا ہے تو مشہور، اعتماد اور **تلقوھا بالقبول** پر جاہلانہ شوشہ بازی شروع کر دیتے ہیں۔ صوفیوں کے مشہور قصے کہانیوں کو عوام کا تلقی بالقبول حاصل بتا کر گویا سمجھتے ہیں کہ ابن تیمیہ کے ''**فھی مشھورۃ، تلقوھا بالقبول**'' کا جواب دے دیا ہے۔ حواریوں کا کام پیشوا کی ہر بات کو ہر صورت میں صحیح ماننا ہوتا ہے اور وہی کیا جارہا ہے۔ صوفیوں کی شطحیات، مشرکین کی خرافات کا عوام میں مشہور ہونا عوام کا **تلقی بالقبول** یا جاہل نما علماء کا **تلقی بالقبول** حاصل ہونا کیا علماء امت علوم وفنون کے حوالہ سے اپنی شناخت رکھنے والوں کا **تلقی بالقبول** برابر اور مساوی ہے؟؟ جب ان علماء کی

طرف سے کسی چیز کو مشہور و معروف کہا گیا ہو تو اس کے اپنے معنی ہوا کرتے ہیں۔ جس بات کو ان کے ہاں تلقی بالقبول حاصل ہے اس کی حیثیت بھی تسلیم کی جاتی ہے۔ زیر نظر مشہور و معروف اور تلقی بالقبول تو ان لوگوں کی اصطلاحیں ہیں۔ جہلا اور صوفیوں کے قصوں پر خود سے اسے فٹ کرنے والے تو عقل و خرد سے بے نیاز ہی ہو چکے ہیں۔ اصطلاح کو اصطلاح کے طور پر لینے، سمجھنے اور رکھنے کے بجائے اس کو عامیانہ انداز اور سوقیانہ طرز عمل کا نشانہ بنانا بذات خود جہالت کا نمونہ ہے۔ بہر حال امام احمد بن حنبل کا رسالہ بنام مسدد بن مسرھد مشہور و معروف ہے، علماء نے اس پر اعتماد کیا ہے، اسے تلقوھا بالقبول حاصل ہے۔ اسے امام احمد کا رسالہ ماننے کے لیے یہی بات کافی ہے۔ یہ قاعدہ صرف امام احمد کے رسالہ کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ ابن حجر عسقلانی نے مشہور کتب کی ان کے مصنفین کی طرف نسبتوں کو سندوں سے بے نیاز ہونا قرار دیا ہے:

لأن الكتاب
[المشهور](٥) الغني بشهرته عن اعتبار الإسناد منا إلى مصنفه: كسنن النسائي مثلاً لا يحتاج في صحة نسبته إلى النسائي إلى اعتبار حال رجال الإسناد منا إلى مصنفه.

(النکت علی کتاب ابن الصلاح صفحہ نمبر ۱۷۲ المولف: ابن حجر عسقلانی)

''مشہور کتاب کے لیے اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم سے مصنف تک اس کی سند معتبر ہو۔ مثال کے طور پر سنن نسائی کی صحت کے لیے اس بات کی حاجت نہیں ہے کہ ہم سے لے کر امام نسائی تک کے رجال معتبر ہوں۔''

ابن حجر نے ایسا اس لیے کہا کہ عملاً یہی قاعدہ اور طریقہ اس معاملہ میں جاری رہا ہے۔ جب احادیث کی کتابیں اس بنیاد پر مانی جا رہی ہوں تو امام احمد بن حنبل کے رسالہ کو انکار رسالہ نہ ماننا سوائے ہٹ دھرمی کے کچھ نہیں۔ اس ہٹ دھرمی کو علمی تحقیقی طرز عمل باور کرایا جاتا رہا ہے۔ معتقدین داد تحقیق دے دے کر تحسین کرتے چلے آتے ہیں۔ اوپر سطور میں ابن حجر عسقلانی کا حوالہ پیش کیا گیا، احمد بن حنبل کے عقیدے کے پر جوش حامی زبیر علی زئی صاحب مدافعین احمد بن حنبل میں ہراول کا کردار ادا کرتے رہے ان کا عمومی طور پر طریقہ رہا ہے کہ اپنے موقف کے خلاف دلائل کو مردود قرار دے کر اپنے موقف کا پرچم بلند رکھتے تھے۔ کوئی بعید نہیں ان کے حواری ان کی پیروی میں ابن حجر کی بات کے ساتھ ایسا ہی کوئی سلوک روا رکھیں۔ لہٰذا پیشگی اس کا کچھ تدارک کر لینا بہتر ہوگا۔ ابن حجر کی تائید میں ناصر الدین البانی کو پیش کیا جا رہا ہے، وہ بھی کتابوں کی نسبت کے لیے ان کا مشہور اور اہل علم میں مقبول ہونا کافی سمجھتے

ہیں، اس بابت ناصر البانی صاحب سے جو سوال ہوا اور انہوں نے اس کا جو جواب دیا وہ ملاحظہ فرمائیں:

"السؤال: ما رأيك في أسانيد الكتب؟ هل يشترط فيها ما يشترط في رواية الأحاديث أم يتساهل فيها؟

"الجواب: رأيي يختلف من كتاب إلى آخر، فإذا كان كتاباً مشهوراً متداولًا بين أيدي العلماء ووثقوا به، فلا يشترط، أما إذا كان غير ذلك فإنه يُشتَرط"[3]

"سوال: کتابوں کی سندوں کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ کیا اس میں بھی وہی شرط لگائی جائے گی جو احادیث کی روایت میں لگائی جاتی ہے یا اس میں تساہل سے کام لیا جائے گا؟

"جواب: میری رائے الگ الگ کتاب کے اعتبار سے الگ الگ ہے، چناں چہ اگر کوئی کتاب مشہور ہو، علما کے ہاتھوں میں عام ہو اور اہلِ علم نے اس پر اعتماد کیا ہو تو اس طرح کے نسخوں کی بابت ایسی کوئی شرط نہیں لگائی جائے گی، لیکن جب یہ معاملہ نہ ہو تو پھر یہ شرط لگائی جائے گی۔"

(سلسلہ الھدی والنور للالبانی ۱۳/ ۸۵ بحوالہ یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ صفحہ ۳۶۳)

ناصر البانی اس فرقہ کے پسندیدہ محقق ہیں۔ کتابوں کی ان کے مصنفین کی طرف نسبت کے لیے جو قاعدہ عملاً جاری ہے اسے ہی انہوں نے اپنے موقف کے طور پر بیان کر دیا ہے۔

کتب و رسائل کی ان کے مصنفین کی طرف نسبت کے لیے کتاب کا اس حوالہ سے مشہور ہونا اور اسے علماء کا تلقی بالقبول حاصل ہونا کافی ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے اس معاملہ میں وہ اہتمام ہوا ہی نہیں جو احادیث وغیرہ کے لیے ہوا ہے اس کے لیے تو وہی تاریخ کا ضابطہ جاری اور مستعمل رہا ہے۔ اس کو ہر صورت میں اصول حدیث کی کسوٹی پر پرکھنے کی بات لایعنی ہے۔

امام احمد کے رسالہ بنام مسدد کے لیے جب ابن تیمیہ کی عبارت پیش کی جاتی ہے تو اس سے مدافعین امام احمد بن حنبل کو بڑا دھچکہ پہنچتا ہے۔ ابن تیمیہ کے عقائد حیات وسماع فی القبر کا رونا رونے لگتے ہیں، اس لیے نہیں کہ انہیں ان عقائد سے مفر ہے بلکہ اس لیے کہ ابن تیمیہ کے عقائد کی تردید کرنے والوں کی طرف سے ابن تیمیہ کی عبارت

کو پیش کرنا ان کے دکھ کا سبب ہے۔ ان کی خواہش یہ ہے کہ ابن تیمیہ کی عبارت پیش نہ کی جائے۔ ابن تیمیہ ہوں یا کوئی اور جو بھی ماہر علوم وفنون ہیں، امت میں ان کی شناخت اور حیثیت ہے ان کی بات ان کے ماننے والوں کے سامنے پیش کی جائے گی۔ بدعی عقائد کے حامل راویوں کی روایات کون سی حدیث کی کتاب میں نہیں ہیں؟؟ بدعت، مکفرہ اور غیر مکفرہ، داعی اور غیر داعی کی شرائط اس موقع کے لیے پیش کی جاتی ہیں عملاً موجود نہیں ہیں۔ یہ الگ موضوع ہے جو ان سطور میں زیر بحث نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ علم اور فن کے حوالہ سے مشہور ومعروف علماء جس کو مخاطبین تسلیم کرتے ہوں ان کو پیش کرنا کوئی جرم نہیں اس کو جرم بنا کر پیش کرنے والے دراصل اپنے خلاف پڑنے پر یہ واویلا کرتے ہیں۔ ان کے اپنے گھر سے اس کی بہت مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ خوف طوالت کی وجہ سے صرف ایک مثال ہی کافی ہے زبیر علی زئی صاحب نے امام سیوطی کی تنقیص بھی کی اور اسے اپنی تحریر میں اپنے حق میں پیش بھی کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل کا رسالہ بنام مسدد بن مسرھد امام احمد سے بالکل ایسے ہی ثابت ہے جس طرح دیگر کتب اور رسائل ان کے مولفین ومصنفین سے ثابت مانے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے مزید کسی قرینہ کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ مگر قیل قال، ھاھو کا جو بازار گرم کیا گیا ہے اس کے پیش نظر کچھ اس تعلق سے عرض کر دینا مناسب ہے۔ اس رسالہ کو رد کرنے کے لیے اس کے راوی ابوبکر احمد بن محمد البرذعی کو مجہول بتایا جاتا ہے اور یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ یہ کوئی فرضی شخصیت ہے۔ حقیقت مگر اس طرح نہیں ہے موصوف ابوبکر احمد بن محمد البرذعی کو متعدد لوگوں نے ''الحافظ'' کے لفظ سے ذکر کیا ہے اور ساتھ میں اس سے روایت کرنے والے کا بھی ذکر کیا ہے۔ ابن نقطہ المتوفی ۶۲۹ھ اپنی کتاب تکملہ الاکمال میں لکھتے ہیں:

ابو عبداللہ محمد بن بشر بن بکر البینی، حدث عن ابی بکر احمد بن محمد البرديجي الحافظ، حدث عنه محمد بن احمد بن الفضل نقلته من خط عبداللہ بن احمد بن السمرقندی.....(تکملة الا کمال جلد ۱ صفحہ ۵۱۶،۵۱۵)

''ابوعبداللہ محمد بن بشر بن بکر البینی، ابوبکر احمد بن محمد البردیجی الحافظ سے روایت کرتا ہے، اور اس (یعنی ابو عبداللہ البینی) سے محمد بن احمد بن الفضل نے روایت کیا ہے۔ میں نے اسے عبداللہ بن احمد بن السمر قندی کی تحریر سے نقل کیا ہے۔۔۔۔''

یاقوت الحموی المتوفی ۶۲۶ھ اپنی کتاب معجم البلدان میں لکھتے ہیں:

....ھکذا جماعة منھم: ابو عبداللہ محمد بن بشر بن علی البینی حدث عن ابی بکر احمد بن محمد البردیجی الحافظ حدث عنه محمد بن احمد بن الفضل.

(معجم البلدان جلد ۱ صفحہ ۳۳۴)

''اسی طرح ایک جماعت ہے جس میں ابوعبداللہ محمد بن بشر بن علی البینی ہیں جو کہ روایت کرتے ہیں ابوبکر احمد بن محمد البردیجی الحافظ سے، اوران سے محمد بن احمد بن الفضل روایت کرتے ہیں۔''

ابن ناصر الدین المتوفی ۸۴۲ھ اپنی کتاب توضیح المشتبہ میں لکھتے ہیں:

----انما حدث عن ابی بکر احمد بن محمد البردیجی الحافظ و حدث عنه محمد بن احمد بن الفضل. (توضیح المشتبہ ۱۷۱/۲ التاء)

''ابوعبداللہ البینی نے ابوبکر احمد بن محمد البردیجی الحافظ سے روایت بیان کی ہیں، اوران (ابوعبداللہ البینی) سے محمد بن احمد بن الفضل نے روایت کی ہے۔''

ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ اپنی کتاب التبصیر میں لکھتے ہیں:

محمد بن بشر البینی حدث عن ابی بکر البردیجی، وعنه محمد بن احمد بن الفضل. (التبصیر جلد ۱ صفحہ ۲۱۲)

''محمد بن بشر البینی نے ابوبکر البردیجی سے روایت کی ہے اوراس سے محمد بن احمد بن الفضل نے روایت کی ہے۔''

ابن حجر عسقلانی کی عبارت میں اختصار ہے جیسا کہ عبارت سے عیاں ہے اس وجہ سے اس میں الحافظ کا ذکر نہیں صرف محمد بن بشر البینی کے روایت کرنے کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

یہاں اوپر پیش کردہ عبارات کی کچھ وضاحت کر دینا ضروری ہے۔ عبارات میں ابوعبداللہ محمد بن بشر البینی کا ذکر ہوا ہے جو کہ ابوبکر احمد بن محمد البردیجی الحافظ سے روایت کرتا ہے اوراس سے روایت کرنے والے محمد بن احمد بن الفضل ہے۔ امام احمد کا رسالہ بنام مسدد بن مسرھد کو متعدد لوگوں نے نقل کیا ہے۔ ان میں امام ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ بھی ہیں۔ انہوں نے یہ رسالہ ان ہی کی سند سے نقل کیا ہے سند ملاحظہ ہو:

-------أخبرنا محمد بن أحمد بن الفضل، قال: أخبرنا أبو عبد الله محمد بن بشر بن بكر، قال: حدثنا أبو بكر أحمد بن محمد البرذعي التميمي---

(مناقب امام احمد بن حنبل لابن جوزی)

اوپر عبارات میں انہیں صاحبان کا ذکر ہوا ہے۔ الفیروزآبادی المتوفی ۸۱۷ھ القاموس الحیط میں لکھتے ہیں:

البینی: هو محمد بن بشر بن بكر البینی المحدث

(القاموس المحیط صفحہ ۱۱۷۹)

''البینی: وہ محمد بن بشر بن بکر البینی محدث ہیں۔''

دوسری قابل وضاحت بات ابوبکر احمد بن محمد کی نسبت البرذعی، البردعی یا البردیجی ہے۔ ان سب سے آذربائیجان کے قرب وجوار کے شہر یا قصبے مراد ہیں۔ بردیج، برذعہ اور بردعہ سب جگہیں ہیں، آس پاس ہونے کی وجہ سے لاحقوں میں ایک دوسرے کی جگہ یہ استعمال ہوتے رہے ہیں۔ یہاں کی مشہور شخصیت ابوبکر احمد بن ھارون البردعی البردیجی ہیں۔ تفصیل کے شوقین ابن ماکولا کی کتاب اکمال الکمال کا صفحہ (جلد ا صفحہ ۴۷۹) مع حاشیہ مطالعہ کریں۔

المناقب میں ابوبکر احمد بن محمد البردیجی الحافظ سے بیان کرنے والے محمد بن بشر بن بکر البینی محدث ہیں۔ مگر طبقات حنابلہ اور ابوسعید النقاش کی اقوال اہل السنہ میں البردیجی سے علی بن محمد بن موسی الحافظ المعروف بابن المعدل نے نقل کیا ہے۔ یعنی البردیجی سے اسے دولوگوں نے بیان کیا ہے۔

یہاں تک تو بات ہوئی ابوبکر احمد بن محمد التمیمی کی جس کو مجہول قرار دے کر رسالہ کو رد کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ مگر اس طرح کی مشق سے اس سے جان نہیں چھڑائی جاسکتی کیونکہ اس قبیل کے قضیہ میں مدعا کو ثابت کرنے کے اور بہت سے طریقے مروج ہیں۔ جیسے کسی روایت کے مندرجات یا روایت میں بیان ہونے والے قصہ کو دوسری روایات سے موازنہ کرکے اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ بھی کیا جاتا ہے۔ تاریخی معاملات، واقعات اور قصص کے باب میں بھی یہ قاعدہ جاری ہے۔ امام احمد بن حنبل کے رسالہ بنام مسدد بن مسرھد میں امام احمد کا جو موقف، مذھب، عقیدہ بیان ہوا ہے وہ تقریباً سب ہی ان سے دوسری جگہ منقول اور موجود ہے۔ ان کے دیگر رسائل، کتب، مسائل اور فرمودات پر مشتمل ذخیرہ میں وہ سب کچھ مل جاتا ہے جو ان کے رسالہ بنام مسدد بن مسرھد میں بیان ہوا ہے۔ اس رسالہ سے پریشان ہونی کی کوئی وجہ نہیں۔ حقیقت کو تسلیم کرلینا موجب پریشانی نہیں اس کا انکار کرنا ضرور پریشانی کا سبب ہوسکتا ہے۔ یہاں موضوع چونکہ عقیدہ حیات فی القبر ہے جس میں روحوں کا قبروں میں جسموں میں لوٹایا جانا مانا جاتا ہے۔ چونکہ یہاں یہ عقیدہ ہی زیر بحث ہے اس وجہ سے پورے رسالہ کے بجائے اس میں امام احمد کا عقیدہ عود روح ہی زیر نظر لایا جارہا ہے۔ انہوں نے اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے تلقین فرمائی کہ ایمان لایا جائے **''یقبض الارواح ثم ترد فی الاجساد فی القبور''**۔ گزشتہ سطور میں عذاب قبر، منکر نکیر وغیرہ سے متعلق ان کے کچھ فرمودات پیش کیے گئے ہیں۔ ان میں لفظاً اور صریحاً اعادہ روح کی بات موجود نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے یہ بات صرف اور صرف رسالہ بنام مسدد بن مسرھد میں ہی منقول ہے۔ ان کا یہ عقیدہ اس رسالہ کے علاوہ بھی ان سے منقول اور موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں امام احمد بن حنبل کا عقیدہ عود روح ان کے اپنے ابن عم حنبل بن اسحاق کی زبانی:

شرح أصول
اعتقاد أهل السنة والجماعة
من الكتاب والسنة وإجماع الصحابة والتابعين ومن بعدهم
تأليف
الشيخ الإمام العلامة الحافظ أبي القاسم هبة الله
ابن الحسن بن منصور الطبري اللالكائي
المتوفى سنة ٤١٨ هـ

خرج أحاديثه وعلق عليه
أبو يعقوب نشأت بن كمال المصري
المجلد الأول
أشرف على طبعه ونشره
مكتبة دار البصيرة
بالإسكندرية

۲۱۵۸ ـ أنا عبيد الله بن محمد، أنا عثمان بن أحمد قال: نا حنبل قال:

سمعت أبا عبد الله ـ يعني أحمد بن حنبل ـ يقول: «إذا صير العبد إلى لحده وانصرف عنه أهله أعيد إليه روحه في جسده فيسأل حينئذ في قبره. وهو قول الله: ﴿ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ﴾ [إبراهيم: ۲۷] يعني القبر، فنسأل الله أن يثبتنا على طاعته ويبارك لنا في تلك الساعة عند المساءلة، فالسعيد من أسعده الله عز وجل، قال: وسمعت أبا عبد الله يقول: نؤمن بعذاب القبر ومنكر ونكير».

(فوٹو: شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة تالیف اللالکائی جلد ۱ صفحہ ۹۷۵)

حنبل کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ یعنی احمد بن حنبل کو کہتے ہوئے سنا کہ جب بندہ اپنی لحد میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اہل لوٹتے ہیں تو اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے، اس وقت اس سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے۔ اللہ کے فرمان: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِالقَولِ الثَّابِتِ فِي الحَيَاةِ الدُّنيَا وَفِي الاخرة (ابراہیم ۲۷) کا یہی مطلب ہے اس آیت میں آخرت سے قبر مراد ہے۔ ہم اللہ سے اطاعت پر ثابت قدمی کی سوال کرتے ہیں سوال و جواب کے وقت کو ہمارے لیے مبارک بنائے، نیک بخت تو وہ ہے جسے اللہ نیک بختی عطا کرے۔ حنبل نے کہا: اور میں نے ابوعبداللہ کہتے سنا کہ ہم عذاب قبر اور منکر نکیر پر ایمان لاتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل کا عقیدہ دوسرے حوالہ سے قارئین کے سامنے ہے کہ روحیں قبروں میں جسموں میں لوٹا دی جاتی ہیں۔ یہ امام احمد بن حنبل کا رسالہ بنام مسدد نہیں جسے ابوبکر احمد بن محمد التمیمی البرذعی البردیجی کی وجہ سے ابن مندہ حاطب اللیل کی ہمنوائی میں قیل قال کر کے امام احمد بن حنبل کو اس سے گلوخلاصی دلانے کی کوشش ہوتی رہی ہے۔

یہ حنبل بن اسحاق ہیں جن سے امام احمد نے اپنا عقیدہ بیان کیا ہے۔ حنبل بن اسحاق امام احمد کے ابن عم یعنی چچا زاد ہیں۔ ان کے خاص شاگرد بھی ہیں، اور گھر کے بھیدی ہیں۔ یہ گھر سے آئی اطلاع اور گھر سے آئی خبر ہے۔ انسان کا جو عقیدہ ہوتا ہے بالعموم وہ سامنے آ ہی جاتا ہے۔ جیسے اللالکائی کی کتاب اصول شرح اعتقاد اہل سنہ سے اوپر پیش کیا گیا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا جو سب سے پہلے ان کے رسالہ کے ذریعے سامنے آیا اس پر گرد اڑائی گئی اس گرد میں امام احمد کے عقیدے کو چھپانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ امام احمد کے رسالہ بنام مسدد کو افسانہ اور اس میں موجود ان کے عقیدے کو کہانی کہا گیا۔ حالانکہ رسالہ بنام مسدد کا ثبوت موجود ہے۔ ان کے خاص الخاص شاگرد المیمونی نے کنفرم کیا کہ امام احمد بن حنبل نے مسدد بن مسرھد کو خط لکھا ہے:

قال أبو الحسن الميموني: سألت أبا عبد الله الكتاب لي إلى مسدد، فكتب لي إليه وقال: نعم الشيخ عافاه الله

(تهذيب الكمال، سير اعلام النبلاء، تهذيب التهذيب)

''ابوالحسن المیمونی نے کہا: میں نے ابوعبداللہ سے مسدد کے لیے کتاب کا سوال کیا تو انہوں نے مجھے لکھ دی۔ اور کہا بہترین شیخ ہیں اللہ انہیں معاف فرمائے۔''

امام احمد کے رسالہ بنام مسدد کا گواہ تو ان کا اپنا شاگرد ہے۔ ان کے شاگردوں میں المیمونی کو بڑا مقام حاصل رہا ہے۔ یہ بات ثابت ہے کہ امام احمد نے مسدد کے نام رسالہ لکھا ہے اور وہ موجود بھی ہے، اہل حدیث وسنت اور اصحاب احمد کے نزدیک مشہور ہے اس کو تلقوھا بالقبول کا مقام ومرتبہ حاصل ہے۔ جمہور نے شرف قبولیت عطا کیا ہے۔ مدافعین کو مشکل آن پڑی تو جو کچھ انہیں سوجھا وہ بڑا ہی مضحکہ خیز ہے۔ کہا گیا کہ المیمونی کا قول ثابت نہیں۔ اس کو غیر ثابت کہنے والوں کو چاہیے کہ اس کے لیے اپنے سلف کو پیش کریں ورنہ سلف کے پیچھے چلنے یا علی فہم السلف کا دعویٰ تو غلط ٹھہرے گا۔ کون ہے تمہارے سلف میں جو المیمونی کے اس قول سے متعلق یہ خیال آفرین کر گیا ہو؟ ابو الحجاج المزی تھذیب الکمال میں الذھبی سیر اعلام النبلاء میں ابن حجر عسقلانی تھذیب التھذیب میں اسے جزم سے پیش کر گئے ہیں۔ یہ صرف ناقلین ہی نہیں محققین اور ماہرین بھی ہیں۔ قاعدے کے مطابق ان کا جزم کے صیغہ سے اسے پیش کرنا ان کے نزدیک ثابت ہونے کا قرینہ ہے کیونکہ یہ لوگ جزم کے صیغہ سے اسی قول کو پیش کرتے ہیں جو ان کے نزدیک ثابت ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک جو صحیح اور ثابت ہے اسے بلا دلیل غیر ثابت کہنا کون سے سلف کی تعلیم ہے؟ یہ زبیر علی زئی صاحب کا طریقہ رہا ہے کہ جب سلف کو اپنا ہمنوا پایا سلف اور جمہور کا سہارا لے لیا اور جب انہیں اپنے موقف کے برعکس پایا تو کوئی خود تراشیدہ شوشہ چھوڑ کر اس کو دلیل قرار دے لیا۔ المزی، الذھبی اور ابن حجر کو رد کرنے

کے لیے کچھ پیش تو کرنا چاہیے تھا، نہیں پیش کیا گیا اور ان شاء اللہ پیش کیا بھی نہیں جا سکے گا۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ ظرف خالی ہے اور خالی ظرف کی صدا پر توجہ دینا فعل عبث ہے۔

فرقہ اہل حدیث حیات وسماع فی القبر کا سب سے بڑا مبلغ ہے۔ ان کی طرف سے ان عقائد کو ثابت کرنے کے لیے ماضی میں بھی کاوشیں ہوتی رہی ہیں اور اب بھی ہوتی رہتی ہیں۔ حیرت انگیز طور پر ان عقائد کو حق ثابت کرتے رہنے کی کوششوں کے باوجود امام احمد سے عقیدہ عود روح کو ثابت نہ ہونے پر اصرار کرتے چلے آئے ہیں۔ ایسا اس لیے نہیں کہ یہ لوگ امام احمد کو اس عقیدے پر نہیں سمجھتے بلکہ اس عقیدے کی بنیاد پر ان کی جو گرفت کی گئی وہ ان ساری موشگافیوں کی وجہ رہی ہے۔ امام احمد کے رسالے بنام مسدد کو غیر ثابت کہنا، امام احمد کی کتاب الصلاۃ کا انکی کتاب ہونے سے انکار کرنا اسی ذیل میں ہے۔ رسالہ بنام مسدد تو ثابت کیا جا چکا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر امام احمد بن حنبل کا عقیدہ عود روح ان کے ابن عم حنبل بن اسحاق کے حوالہ سے اب ان سطور میں پیش کر دیا گیا ہے۔ اس سے مجہول نامی کہانی کا دور ختم ہوا۔ امام احمد سے اسے ثابت نہ ہونے کے نعرے بلند کرنے والے اہل حدیث نامی حنبلی چونکہ یہی عقیدہ رکھتے ہیں لہٰذا ان کی صحت پر تو کوئی اثر واقع نہیں ہونا، ہاں جو لوگ اس عقیدے سے اپنے آپ کو علیحدہ کر کے بھی امام احمد کی محبت میں گرفتار ہیں ان کے مرض میں ضرور افاقہ ہونا چاہیے۔ اس امت میں مردوں میں روحیں لوٹ آنے کے عقیدے کو فروغ دینے والے امام احمد ہیں۔ ان سے پہلے روایت تو موجود تھی مگر اس کو وہ حیثیت حاصل نہ تھی جو امام احمد کی پزیرائی کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ اس کے بعد یہ اسلامی عقیدے کے طور پر رائج ہوا۔ اس کو درست ثابت کرنے کے لیے دفتر کے دفتر تیار کر کے امت کو اس کے جال میں ایسا پھنسایا ہے کہ گویا اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے۔

.....

مرنے والوں کے نفسوں کو روک لیا جانا

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (سورہ زمر آیت ۴۲)

وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت نفسوں کو قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی نفس نیند میں قبض کر لیتا ہے، پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی نفسیں ایک وقت مقرر کے لیے واپس بھیج دیتا ہے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔

قبوری دین

کا المیہ

ڈاکٹر نسیم الدین خرم

برصغیر بڑا مردم خیز خطہ ارضی ہے۔ تقریباً ہر مسلک ہر فرقہ کا یہاں وجود پایا جاتا ہے۔ کوئی کم اور کوئی زیادہ مگر موجود سب ہی ملیں گے۔ یہاں اکثریت حنفیوں کی رہی ہے۔ احناف کے ردعمل میں جو مسلک، فرقہ وجود میں آیا وہ اپنے آپ کو اہل حدیث کہلانا پسند کرتا ہے۔ اپنا تعلق اپنے یہاں کے بانیوں سے جوڑنے کے بجائے محدثین کے گروہ سے جوڑنا پسند کرتا ہے۔ چونکہ یہ احناف کے ردعمل میں وجود میں آئے تھے، آئے دن ان کے مناظرے ان کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ اہل حدیث کی طرف سے چیلنج اور مبارزت طلبی، جیتنے والے کے لیے انعام کے پوسٹر ان کی مساجد کی زینت ہوا کرتے تھے۔ اس مرض میں اب کافی افاقہ ہے۔ ہر فرقہ کی طرح یہ بھی اس غلط فہمی کا شدت سے شکار ہیں کہ ہم حق پر ہیں۔ اپنے آپ کو ویسے بھی باطل پر کوئی نہیں سمجھتا، اگر یہ فرقہ بھی اسی زعم میں ہے تو عین نفسیاتی عوامل کے مطابق ہے۔ دین حق تو وہ ہے جو اللہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ جو قرآن وسنت کی صورت میں موجود ہے۔ نام تو سب اللہ کے دین کا لیتے ہیں مگر تعبیرات وتوجیہات سب کی اپنی اپنی ہیں۔ اپنی تعبیرات کو ''منزل من اللہ'' سے کم کوئی نہیں سمجھتا۔ اس کے نتیجہ میں اللہ کی زمین پر فساد ''فی سبیل اللہ'' برپا ہے۔ ہر فرقہ اپنا ماخذ قرآن وحدیث بتاتا ہے لیکن اپنے عقائد اس کسوٹی پر پرکھنے کا روادار کوئی نہیں۔ اہل حدیث فرقہ کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث والے ہیں اور احادیث ہی ان کا مذہب ہوگا مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ دوسروں کی طرح یہ بھی وہی حدیثیں لیتے ہیں جو ان کے مسلک پر فٹ آتی ہیں۔ جو فٹ نہیں بیٹھتیں ان کی کوئی نہ کوئی تاویل کر لیتے ہیں یا ان میں کوئی سقم ڈھونڈ لیا جاتا ہے۔ کمزور ترین روایات اگر انکے مسلک، مذہب اور عقیدے کے حق میں ہوں تو ان میں جان ڈال لینے کا فن انہیں خوب آتا ہے۔ قرآن کے معاملہ میں ان کا طرز عمل انتہائی افسوس ناک ہے۔ قرآن کی واضح آیات ان کے عقیدے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ ان کی تاویل کر لینا انہیں محبوب اور مرغوب ہے، مگر ان روایات کی تاویل کرنا گناہ سمجھتے ہیں جو ان کے عقیدے کے موافق ہوں، خواہ وہ قرآن کی نص صریح کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ اس فرقہ کا بڑا مرض یہی ہے۔ اسی وجہ سے قبوری دین خوب پروان چڑھا ہے۔ اس قبوری شریعت میں مُردوں میں روح کا لوٹ آنا مانا جاتا ہے، جس سے وہ زندہ ہو جاتا ہے، سنتا، دیکھتا اور وہ سب کچھ کرنے لگتا ہے جو اس قبوری دین کے ماننے والوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ ان ہی لوگوں کا دعویٰ ہے کہ روحیں مُردوں میں آتی جاتی بھی رہتی ہیں۔ یہ مرنے والے لوگوں کے خوابوں

میں آ کر غیب کا پردہ چاک کر کے غیب کے احوال سے سونے والوں کو آگاہ کرتے ہیں۔قبوری دین میں مردے قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں، سلام کا جواب دیتے، قرآت قرآن کرتے ہیں، ان کی قبر پر قرآن پڑھا جائے تو خوش ہوتے ہیں۔قبر کی زیارت کرنے والے زائر کو پہچان لیتے ہیں۔مُردوں کے احساس وشعور، طاقت وتصرف کا پورا پیکیج اس قبوری دین میں موجود ہے۔اس کو پھیلانے میں علماء کے اس ٹولے نے بھرپور کردار ادا کیا ہے جو اپنی شناخت اہل حدیث کے نام سے کرواتا ہے۔یہ اہل حدیث کبھی اپنے آپ کو سلفی بھی قرار دے لیتے ہیں مگر ان کے سلف آٹھویں صدی کے ابن تیمیہ، ابن قیم ہیں۔کیونکہ قبوری شریعت کے لیے یہ انہیں کے مرہون منت ہیں۔

ہر فرقہ میں متشدد ین ہوتے ہیں، ان میں بھی بہت ہیں۔زبیر علی زئی ان میں سرفہرست ہیں۔موصوف ہر معاملہ میں متشدد تھے۔عقائد کے باب میں حیات فی القبر بطور خاص حدف رہا۔ساری زندگی پوری شدت سے اس کے اثبات کے لیے دلائل فراہم کرنے میں لگے رہے۔اس میں غلو کی وجہ سے موصوف دلائل فراہم کرتے کرتے دلائل گھڑنے لگے، جن کا روئے زمین پر وجود نہیں ان کو ایجاد کر کر کے اہل حدیثوں کو مستفید فرماتے رہے۔اہل حدیث عوام اپنے عقائد، مسلک اور فرقہ کی نصرت پر عش عش کرتے رہے۔پیروکار عوام بے چاروں کو معلوم ہی نہیں ہو پاتا کہ موصوف نے کب پینترا بدلا، کب یوٹرن لیا، کب موقف بدلا، کب تحقیق نے کروٹ لی اور معاملہ کچھ سے کچھ ہو گیا۔ تفصیل اس اجمال کی کچھ اس طرح ہے:

سنہ اسی اور نوے کی دھائی میں حیات فی القبر اور سماع فی القبر کے خلاف ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بھرپور کام کیا تو یہ موصوف اور ان کا فرقہ اہل حدیث ان کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔یہ ان عقائد باطلہ کے دفاع میں ہراول دستہ کا کام انجام دے رہے تھے۔اہل حدیث کو بغض وعداوت اس پر تھی کہ ڈاکٹر عثمانی صاحب نے قرآن و حدیث سے ثابت کیا تھا کہ اہل حدیث جس عقیدہ توحید کو پیش کرتے ہیں وہ قرآن وصحیح حدیث کی توحید نہیں ہے۔ انہوں نے قرآن وحدیث سے ثابت کیا کہ اہل حدیث فرقہ کی توحید روایات منکرہ پر مبنی ہے۔قرآن وحدیث کی رو سے نہ مردہ زندہ ہوتا ہے نہ سنتا ہے، نہ سمجھتا ہے اور نہ ہی جواب دے سکتا ہے، وہ ہر قسم کے شعور سے عاری ہوتا ہے۔ قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھایا جانا ہے۔مرنے کے بعد سوال وجواب، عذاب یا راحت عالم برزخ کے معاملات ہیں۔جسد عنصری اور اس دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔مرنے والوں اور دنیا کے درمیان برزخ کی آڑ ہے۔قرآن و حدیث کے ٹھوس دلائل سے یہ سب کچھ ثابت کر دیا گیا۔اہل حدیث جن منکر روایات کو اپنے عقائد کی بنیاد بنائے چلے آ رہے تھے ان کے بطلان کو واضح کر دیا گیا۔اس صورت حال میں قبوری دین کے محافظوں میں بڑی بے چینی تھی۔ زبیر علی زئی صاحب اپنے فرقہ کے دفاع میں سرگرم ہوئے، موصوف منظر عام پر اور پس پردہ ہر دو طریقوں سے اپنے ان عقائد کے دفاع میں دلائل فراہم کرنے میں لگے رہے۔پس پردہ وہ خود ساختہ اور خام دلائل دوسرے اہل حدیث علماء کو فراہم کرتے جو انہیں بلا تحقیق اپنے نام سے شائع کر کے اپنا قد بڑھانے اور اپنے فرقہ میں مقام پیدا کرنے کا

ذریعہ بناتے رہے۔اس قبیل کے لوگوں میں سرفہرست ابوجابر دامانوی صاحب ہیں۔

حدیث رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوحِي اور زبیر علی زئی:

قبوری شریعت کے محافظ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم میں آپ کی روح لوٹائی جاتی ہے۔اس عقیدے کے حق میں جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ سنن ابوداؤد، باب فی الصلاۃ علی النبی صلّی اللہ علیہ وسلم، وزیارۃ قبرہ کی حدیث ۲۰۴۱ ہے:

حدَّثنا محمدُ بنُ عوفٍ، حدَّثنا المقرء، حدَّثنا حيوةُ، عن أبي صخرٍ حميدِ بنِ زياد، عن يزيدَ بنِ عبد الله بن قُسيطٍ عن أبي هريرة أن رسولَ اللهِ صلَّى الله عليه وسلم - قال: "ما مِنْ أحدٍ يُسلِّمُ علي إلا ردَّ اللهُ عليَّ رُوحي حتى أردَّ عليه السَّلامَ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے حتی کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

سنہ ۸۰ کی دہائی میں رجل مومن ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اس روایت کو ضعیف کہا اور دلائل سے ثابت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی قبر کی زندگی کے لیے پیش کی جانے والی اس روایت پر عقیدہ نہیں بنایا جاسکتا۔ورنہ ان سے پہلے جمہور علماء اس روایت کو صحیح مانتے چلے آرہے تھے اور اس روایت کے مطابق ہی سب کا عقیدہ تھا۔اس میں اہل حدیث فرقہ کا حصہ سب سے نمایاں رہا ہے۔ریاض الصالحین میں یہ روایت موجود ہے۔اہل حدیثوں کی طرف سے اس کا ترجمہ کیا گیا، تحقیق وتعلیق اور فوائد سے مزین کرکے اسے شائع کیا اور اس روایت کو صحیح قرار دیتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا لوٹنا اور زندہ ہونا مانا گیا۔اس فرقہ کا اس روایت سے جو لگاؤ ہے وہ درج ذیل فوٹو سے عیاں ہورہا ہے:

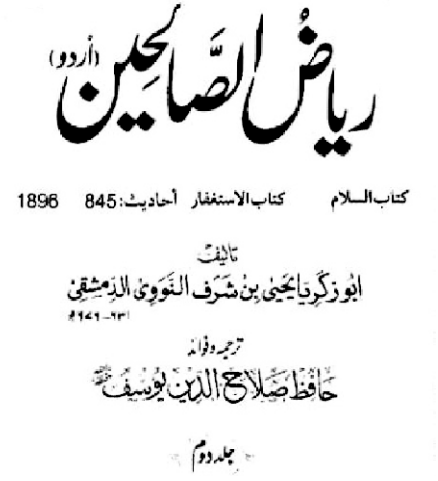
ریاض الصالحین (اردو)

کتاب السلام کتاب الاستغفار أحادیث: 845 1896

تالیف
ابو زکریا یحیی بن شرف النووی الدمشقی

ترجمہ وفوائد
حافظ صلاح الدین یوسف

جلد دوم

نظرِ ثانی، تحقیق و تخریج و اضافات

ابوالحسن حافظ عبدالخالق حفظہ اللہ — حافظ محمد آصف اقبال حفظہ اللہ

مولانا محمد عثمان منیب حفظہ اللہ — مولانا ابو عبداللہ محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

مولانا غلام مرتضیٰ حفظہ اللہ — مولانا مختار احمد ضیاء حفظہ اللہ

مولانا تنویر احمد حفظہ اللہ

١٤ - كِتَابُ الصَّلَاةِ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ — 346

[١٤٠٢] وَعَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ.

[1402] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اسے جواب دیتا ہوں۔'' (اسے ابوداود نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ ہر سلام بھیجنے والے کو جواب دیتے ہیں۔ لیکن یہ زندگی برزخ کی زندگی ہے جس کی حقیقت کا ہمیں علم نہیں۔ اس لیے حیات الانبیاء کا مسئلہ تو اپنی جگہ صحیح ہے لیکن اس کی بابت یہ دعویٰ کرنا غیر صحیح ہے کہ یہ حیات' دنیوی حیات ہی کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ قوی ہے۔ یہ بے بنیاد دعویٰ ہے جو قرآن و حدیث کی تصریحات کے خلاف ہے۔ اگر آپ دنیا کی طرح ہی زندہ ہوتے تو پھر ردروح کی ضرورت ہی پیش نہ آتی' اس کے بغیر ہی آپ جواب دینے پر قادر ہوتے۔ باقی رہا یہ اشکال کہ کروڑوں مسلمانوں میں سے بے شمار مسلمان ہر وقت ہی آپ پر درود و سلام بھیجتے رہتے ہیں تو وقفے وقفے سے یہ رد روح کس طرح ممکن ہے۔ تو یہ اشکال اللہ کی قدرت پر عدم یقین کا نتیجہ ہے۔ جب آپ کا یہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے تو ہمیں صرف اس حقیقت پر ایمان رکھنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی کیفیت و نوعیت کیا ہے؟ ہمیں اس کا علم نہیں ہے نہ ہو ہی سکتا ہے۔ اس رد روح کو بھی ان متشابہات میں سے سمجھنا چاہیے جن پر ایمان رکھنا تو ضروری ہے لیکن ان کی پوری حقیقت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ بہرحال اس حدیث میں کثرت سے درود و سلام پڑھنے کی ترغیب ہے تاکہ مسلمان نبی کریم ﷺ کے جواب سے زیادہ سے زیادہ بہرہ ور ہو۔ یہ یقیناً ایک بہت بڑی سعادت ہے جو ہر مسلمان کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(فوٹو: ریاض الصالحین جلد ۲ صفحہ ۳۴۶)

اس حوالے کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اہل حدیثوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبر میں آپ کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے جس سے آپ کو زندگی حاصل ہے۔ انہوں نے اسے برزخی زندگی کہہ کر اس کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر یہ بھول جاتے ہیں دنیاوی جسم کی زندگی مان کر اسے برزخی کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، یہ دنیاوی زندگی ہی رہے گی۔ برزخی زندگی تو آپ کو جنت الفردوس کے بلند ترین مقام پر حاصل ہے۔ جس کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اہل حدیث علماء کا متفقہ عقیدہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح جسد میں لوٹتی ہے۔ اہل حدیثوں

کے اس گروہ میں زبیر علی زئی بھی پیش پیش رہے ہیں۔ ۸۰ اور ۹۰ کی دھائی میں موصوف بڑی شدت سے حیات فی القبر کے عقیدے کا اثبات کرتے رہے، اس مہم جوئی میں ان کے شاگرد اور رفیق ابو جابر دامانوی ان کے ساتھ ساتھ رہے۔ ریاض الصالحین کی تحقیق وتخریج میں زبیر علی زئی نے اس روایت ''مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ ، إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ'' کو حسن کہا اور اپنے حق میں عراقی کا حوالہ بھی پیش کیا کہ وہ اسے جید کہتے ہیں۔ اہل حدیث علماء میں خواجہ محمد قاسم پہلے عالم ہیں جنہوں نے اسے اپنی کتاب قبر پرستی اور سماع موتی صفحہ ۷۶ میں بڑے نرم اور بے ضرر انداز میں ضعیف کہا پھر اپنی دوسری کتاب ''کراچی کا عثمانی مذھب'' میں اس روایت کو ضعیف بتلایا۔ حالانکہ یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف لکھی گئی مگر ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے مطابق ہی اس روایت کو ضعیف کہا گیا ہے ورنہ اہل حدیث علماء تو اس روایت پر فریفتہ رہے ہیں۔ یعنی خواجہ قاسم صاحب نے اس روایت کی تضعیف میں اپنے مسلک کے بجائے ڈاکٹر صاحب کے موقف کو اختیار کیا۔

ما من احد يسلم عليّ الا رد الله عزوجل اليّ روحي حتى
ارد عليه السلام۔ (ج ۲ توحيد خالص حصه ۲ ص ۱۹)۔
''جو بھی مجھے سلام کہے گا اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹائے گا تا کہ میں اسے
سلام کا جواب دوں''۔
یہ روایت ابو داؤدؒ اور بیہقیؒ میں ہے اور بیشک ضعیف ہے تاہم اس سے

(فوٹو: کراچی کا عثمانی مذھب صفحہ ۴۵، ۴۶)

قبوری شریعت کے محافظ زبیر علی زئی اس روایت کو صحیح کہتے کہتے، صحیح ثابت کرتے کرتے آخر کار اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ انہیں اس روایت کی صحت میں شک پیدا ہو گیا۔ یہ سنہ ۲۰۰۳ کا دور تھا جب کچھ تحقیق کرنے کی توفیق نصیب ہوئی، مگر اس وقت بھی عقائد کے باب میں اس حدیث کا رد کرنا مناسب نہ جانا بلکہ روایت کے بطلان کو ضعف کے شبہ کا پیراہن دے کر پیش کیا، اپنی کتاب توضیح الاحکام صفحہ ۶۲۱، ۶۲۲ پر تحقیق روایات میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ اور درود کا جواب

سوال ابو داود کی حدیث ہے کہ جو شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے، میری روح میرے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور میں جواب دیتا ہوں، یہ حدیث سنداً کیسی ہے؟ اس سے بریلویوں کا استدلال ہے کہ نبی ﷺ قبر میں زندہ ہیں۔ (ایک سائل)

الجواب یہ روایت سنن ابی داود (کتاب المناسک باب زیارۃ القبور: ۲۰۴۱) اور مسند احمد (۲/ ۵۲۷) میں موجود ہے۔ اسے ابن الملقن (تحفۃ المحتاج ح ۱۱۵۱) وغیرہ نے صحیح کہا ہے لیکن راجح قول میں اس کی سند ضعیف ہے۔

یزید بن عبداللہ بن قسیط (راوی حدیث عن ابی ہریرہ) کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔ دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۱/ ۱۲۲، وسندہ حسن)

تحقیق روایات 622

لیکن اس خاص روایت میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں اور ان کی عام روایتیں تابعین سے ہیں یعنی وہ تابعین عن الصحابہ سے روایت کرتے ہیں اور اس سند میں انھوں نے سماع کی تصریح نہیں کی لہٰذا اس سند میں انقطاع کا شبہ ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تحقیق کی ہے لہٰذا اسے حسن قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ والعلم عند اللہ عزوجل

[شہادت، اکتوبر ۲۰۰۳ء]

(فوٹو: توضیح الاحکام صفحہ ۶۲۱، ۶۲۲)

توضیح الاحکام کے اس فوٹو سے واضح ہے کہ اکتوبر ۲۰۰۳ میں محدث موصوف اس روایت کے ضعف تک پہنچ گئے تھے۔ اس سے پہلے تک انہوں نے اس عقیدے کی اور اس روایت کی جو وکالت فرمائی تھی وہ سب ہوا ہوگئی۔ یہ خوشگوار تبدیلی تھی، اس لیے امید پیدا ہوئی کہ معاملہ رو بہ اصلاح ہے، تحقیق مثبت انداز میں اور آگے بڑھے گی تو روایت کے ضعف کا شک یقین میں بدل جائے گا۔ کیونکہ عقیدہ کا معاملہ ہے۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! یہ نیک امید جلد ہی دم توڑ گئی، موصوف کو البانی صاحب کی نقالی کا شوق چرایا، ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سنن اربعہ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کی ضعیف احادیث کا مجموعہ تیار کر ڈالا۔ اس کا نام انوار الصحیفہ فی الاحادیث الضعیفہ من السنن الاربعہ رکھا۔ اس کی اشاعت میں جو مقدمہ موصوف نے تحریر فرمایا اس کے آخر میں ۵ محرم ۱۴۲۵ھ تاریخ درج کی جو ۲۵ فروری ۲۰۰۴ بنتی ہے۔ یعنی توضیح الاحکام کے ۴ مہینے بعد یہ انوار الصحیفہ منظر عام پر آیا۔ حیرت انگیز طور پر توضیح الاحکام میں ضعیف قرار دی گئی روایت ''رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوحِي'' اس ضعیف مجموعہ میں موجود ہی نہیں تھی، اسے ضعیف مجموعہ میں شامل نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے صحیح یا حسن درجہ میں رکھا گیا ہے۔ موصوف نے ضعیف روایات کے مجموعہ انوار الصحیفہ کے مقدمہ میں خود اس کی یہی وجہ بتائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

تنبيه: كل حديث من السنن الأربعة ، الذي لم أذكره هاهنا فهو صحيح أو حسن عندي يحتج به ، والله أعلم وعليه التكلان.

حافظ زبير علي زئي

(٥/ محرم ١٤٢٥ھ)

(فوٹو:انوارالصحیفہ ،مقدمہ صفحہ ۹)

تنبیہ:سنن اربعہ کی وہ تمام احادیث جن کا ذکر میں نے یہاں نہیں کیا ہے وہ میرے نزدیک صحیح یا حسن ہیں،قابل احتجاج ہیں،واللہ اعلم۔

حافظ زبیرعلی زئی،۵ محرم ۱۴۲۵ ہجری۔

اب ملاحظہ فرمائیں انوارالصحیفہ کا صفحہ نمبر ۷۸:

إسناده ضعيف باب في تحريم المدينة

سليمان بن أبي عبد الله : مقبول (تق : ٢٥٨٢) أي : "مجهول الحال" ولم يوثقه غير ابن حبان .

o[٢٠٣٨] **من قطع منه شيئاً** سعد

إسناده ضعيف باب في تحريم المدينة

مولى لسعد مجهول (وانظر فتح الملك المعبود ٢/ ٢٤٧) ولم أجد من وثقه .

o[٢٠٣٩] **لا يخبط ولا يعضد** جابر بن عبد الله

إسناده ضعيف باب في تحريم المدينة

الحارث بن رافع تابعي مستور، وثقه ابن حبان وحده .

o[٢٠٥٩] **لا رضاع إلا ما شد العظم** عبد الله بن مسعود

إسناده ضعيف باب في رضاعة الكبير

أبو موسى الهلالي مجهول وأبوه مجهول كما قال أبو حاتم الرازي (الجرح والتعديل ٩/ ٤٣٨) .

[٢٠٦٠] **أنشز العظم** عبد الله بن مسعود

إسناده ضعيف باب في رضاعة الكبير

أبو موسى الهلالي وأبوه مجهولان ، انظر الحديث السابق (٢٠٥٩) والموقوف صحيح ، كما في الموطأ بتحقيقي (رواية يحيى ح١٣٢٧)

[٢٠٦٧] **أنه كره أن يجمع بين العمة والخالة** عبد الله بن عباس

إسناده ضعيف باب ما يكره أن يجمع بينهن من النساء

خصيف : ضعيف (تقدم : ٢٦٦)

[٢٠٧٢] **أن رسول الله ﷺ نهى عنها في حجة الوداع** سبرة بن معبد

ضعيف لشذوذه باب في نكاح المتعة

رجاله ثقات ولكنه شاذ مخالف لما رواه الثقات ، والصواب :" نهى عنها في عام الفتح " كما رواه مسلم (١٤٠٦)

٥[٢٠٧٦، ٢٠٧٧] لعن المحل والمحلل له — علي

إسناده ضعيف/ ت ١١١٩، جه ١٩٣٥ — باب في التحليل

الحارث الأعور ضعيف جدًا (تقدم: ٩٠٨) وللمتن شواهد ضعيفة وروى أحمد (٢/ ٣٢٣) و ابن الجارود

(فوٹو:انوارالصحیفہ صفحہ ۷۸)

اس میں صاف دیکھا جاسکتا ہے کہ ابوداؤد کی زیر بحث حدیث جسکا نمبر ۲۰۴۱ ہے وہ اس میں موجود نہیں ہے۔ابوداؤد کی حدیث نمبر ۲۰۳۹ کو ضعیف میں شامل کیا گیا ہے اور اس کے بعد حدیث نمبر ۲۰۵۹ کو۔حدیث نمبر ۲۰۴۱ اس میں موجود نہیں۔اس کی وجہ ظاہر ہے اس کو صحیح یا حسن قرار دیا گیا ہے۔

اکتوبر ۲۰۰۳ میں جو روایت ضعیف قرار پائی تھی، چار مہینے بعد فروری ۲۰۰۴ میں وہی روایت پھر صحیح یا حسن ہوگئی! فیاللعجب! یہ یوٹرن ہے یا اجتہاد کا تغیر، علمی دسیسہ کاری ہے یا عقیدے کی تبدیلی، ذرا غور کرلیا جائے تو اس بھید پر پڑا پردہ اٹھ جاتا ہے۔عام طور پر کسی روایت پر ضعیف کا حکم لگانے کے بعد اسے صحیح یا حسن قرار دیا جائے تو یہ ضعف کے حکم سے رجوع کہلاسکتا ہے۔یہاں مگر معاملہ اتنا سادہ نہیں بلکہ دین کے ساتھ کھلواڑ کیا گیا ہے۔مارچ سنہ ۲۰۰۵ میں سنن ابوداؤد اردو ترجمہ اور فوائد کے ساتھ شائع کی گئی جس کی تحقیق وتخریج زبیر علی زئی صاحب نے ہی فرمائی۔اس میں زیر بحث روایت پر محدث موصوف نے ضعف کا حکم لگا کر تحقیق کے جو جوہر دکھائے ہیں وہ ملاحظہ ہو:

٢٠٤١- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بنُ عَوْفٍ: حَدَّثَنَا المُقْرِيءُ: حَدَّثَنَا حَيْوَةُ عن أبي صَخْرٍ حُمَيْدِ بنِ زِيَادٍ، عن يَزِيدَ بنِ عَبْدِ الله بنِ قُسَيْطٍ، عن أبي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ الله ﷺ قال: «مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ».

۲۰۴۱-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جو شخص بھی مجھے سلام کہتا ہے تو اللہ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔"

٢٠٤٠ـ تخريج: أخرجه مسلم، الحج، باب فضل مسجد قباء وفضل الصلوٰة فيه وزيادته، ح:١٣٩٩ من حديث ابن نمير، والبخاري، فضل الصلوٰة في مسجد مكة والمدينة، باب إتيان مسجد قباء ماشيًا وراكبًا، ح: ١١٩٤ من حديث عبيدالله بن عمر به.

٢٠٤١ـ تخريج: [إسناده ضعيف] أخرجه أحمد:٢/ ٥٢٧ عن المقرىء به، وصححه ابن الملقن في تحفة المحتاج، ح:١١٥١ * يزيد بن عبدالله بن قسيط ثبت سماعه من أبي هريرة عند البيهقي: ١/ ١٢٢، ولكنه يروي عن التابعين عن الصحابة، ولم يصرح هاهنا بالسماع، فالسند في شبه الانقطاع.

۱۱-كتاب المناسك ——— زیارت قبور کے احکام ومسائل

توضیح: یہ حدیث ہمارے فاضل محقق شیخ زبیر علی زئی صاحب ﷾ کے نزدیک ضعیف ہے لیکن اکثر محدثین کے نزدیک یہ حسن درجہ کی ہے جو محدثین کے ہاں مقبول ہے۔ اور ''روح لوٹانے'' کی کئی ایک تاویلات کی گئی ہیں۔ مگر اول و آخر یہی ہے کہ یہ برزخی زندگی کا معاملہ ہے۔ اسے دنیا کی زندگی پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے۔ علاوہ ازیں یہ متشابہات میں سے ہے ہم کوئی اطمینان بخش تفصیل و توجیہ کرنے سے قاصر ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ. ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ (یوسف:۷۶)

(فوٹو: ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۵۶۰، ۵۶۱)

روایت ''رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوحِي'' کو تحقیق کے پہلے مرحلہ، توضیح الاحکام میں ضعیف کہا گیا پھر دوسرے مرحلہ میں ضعیف احادیث کے مجموعہ انوار الصحیفہ سے باہر کر کے اسے صحیح یا حسن بنایا گیا اس کے بعد ابوداؤد کی تحقیق و تخریج میں اسے پھر ضعیف ٹھہرایا گیا۔ اسے تحقیق کا نام دیا جائے یا یوٹرن لینا، پینترا بدلنا کہا جائے یا بدلتا اجتہاد کچھ بھی کہیں ان کے پیروکاروں، حواریوں اور معتقدین پر لازم ہے کہ محدث موصوف کے ہر یوٹرن پر ان کی تحقیق کے مطابق اپنے عقیدے میں تبدیلی لاتے رہیں۔ محدث موصوف جب روایت کو صحیح قرار دیں تو روایت پر ایمان لائیں، ایسا نہ کیا تو صحیح حدیث نہ ماننے کے جرم میں منکر حدیث کے فتوی کے مستحق ٹھہریں گے۔ اور جب محدث موصوف اسی روایت کو ضعیف قرار دیں تو ''رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوحِي'' سے توبہ کر کے اپنے ایمان کی خیر منائیں۔ کیونکہ ضعیف روایت پر محدث موصوف کے منہج میں ایمان تو کجا عمل بھی جائز نہیں ہے۔ بہرکیف یہ محدث موصوف اور ان کے معتقدین کا معاملہ ہے۔ دوسروں کے لیے تو اس میں سبق ہے۔ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ یہ معاملہ بس یہیں تک پہنچا ہوا اور یہاں آ کر رک گیا ہو۔ توضیح الاحکام میں ضعیف، انوار الصحیفہ کے وقت صحیح اور پھر ابوداؤد کی تحقیق میں پھر ضعیف۔ نہیں! مراجعت اور تحقیق ابھی جاری ہے، ۱۷ جون سنہ ۲۰۰۹ کی یوٹیوب پر محدث موصوف کے سوال و جواب کی نشست کی ویڈیو سامنے آتی ہے۔ اس کا لنک ہے :

https://www.youtube.com/watch?v=dnwBO7M-LGA

اس نشست میں محدث موصوف (۵۳ منٹ سے آگے) روایت ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کو ضعیف بتاتے ہیں۔ اور آگے (۵۴ منٹ ۲۸ سیکنڈ کے بعد) روایت ''رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوحِي'' پر بات شروع کرتے ہوئے اس روایت کے متن کو بڑی عجیب بات کہتے ہوئے ہاتھ سے اشارے کرتے ہیں، کہتے ہیں یہ روح تو نکلی پھر آئی، نکلی آئی، نکلی آئی، یہ تو مسئلہ عجیب ہوا۔ روایت پر محدث موصوف کے تبصرہ کا ٹرانسکرپشن ذیل میں دیا جا رہا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

ٹرانسکرپشن :

''اس میں آتا ہے کہ کوئی آدمی مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالی میری روح کو لوٹا دیتا ہے۔ یہ بھی بڑی

مشکل روایتوں میں سے ہے۔اس کو بھی کچھ لوگ، البانی وغیرہ صحیح کہتے ہیں۔تو ہم یہ کہتے ہیں کہ بھئی روح کو لوٹانے سے مراد کیا ہے؟ پہلی تو یہ بات ہے کہ روح تو نکلی پھر آئی، نکلی آئی، نکلی آئی (اس موقع پر روح نکلنے اور واپس آنے کے ہاتھ سے اشارے کیے) یہ کیا ہوا؟ یہ تو مسئلہ عجیب ہوا! پھر یہ بھی اس وقت لوٹائی جائے گی جب قبر پر کوئی درود پڑھے گا نا۔علماء تو اس کو قبر کے باب میں لے کر آئے ہیں۔تو قبر پر تو درود پڑھتا ہی کوئی نہیں سارے حجرہ کے باہر پڑھتے ہیں۔ قبر پر تو پرویز (مشرف) نے پڑھا ہوگا، پرویز جو بادشاہ بیٹھا ہوا تھا ڈکٹیٹر، اس (پرویز مشرف) کے لئے جب جاتے ہیں تو (وہ) کھولتے ہیں نا حجرہ، دروازہ، اندر چلا جاتا ہے یا کوئی اور جو ہیں۔زرداری جا کر پڑھتا ہوگا۔بھئی ہمارے لئے تو قبر، کدھر دروازہ کھلتا ہے جی۔(مرزا جہلمی جو کہ سائل ہے اس نے دخل دیتے ہوئے کہا: لیکن علمائے عرب تو قائل ہیں!)۔زبیر: مجھے بات کرنے دیں، بھئی ہمارے لیئے، ہم قبر پر نہیں جاسکتے ہم باہر حجرے میں کھڑے ہوتے ہیں، باہر کا تو کوئی ثبوت نہیں ہے۔یہ لوگ دروازہ کھولیں، قبر پر کوئی جائے گا تو پھر روح لوٹائی جائے گی۔اچھا! تو قبر پر بادشاہوں کے لئے سعودی عرب والے کھولتے ہیں، عام لوگوں کے لئے نہیں کھولتے۔ ..ابن عبدالہادی اور دوسرے علماء نے اس سے یہی مراد لیا ہے کہ یہ قبر پر مراد ہے۔یہ حدیث میری تحقیق میں ضعیف ہے، صحیح نہیں۔عرب اس کو صحیح کہتے ہیں نا، وہ تو بعد میں بات کریں گے۔تو پہلے تو جلال الدین سیوطی نام کے ایک مولوی صاحب گزرے تھے وہ حیات النبی کے قائل تھے ان کے لئے یہ حدیث بڑی پکی تھی انہوں نے اٹھارہ جواب دیے کبھی یہ کبھی وہ۔لیکن ہے تو بڑی عجیب بات۔اگر باہر سے بھی روح لوٹائی جاتی ہے تو پھر لاکھوں آدمی باہر سے سلام دے رہے ہیں تو لاکھوں دفعہ لوٹائی جائے گی۔ایک دفعہ نہیں ہے، یہ نہیں کہ لوٹائی گئی اور قیامت تک لوٹائی گئی، اور لاکھوں دفعہ۔... تو یہ تو بڑی عجیب بات ہے، امت میں اس کا کوئی قائل نہیں۔(سائل مرزا نے پھر لقمہ دیا کہ یہ برزخی معاملہ ہے!) زبیر: برزخی معاملہ ہے، تو یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔اس میں یزید بن عبداللہ بن قسیط جو ہے جو یہ روایت کرتا ہے تابعین سے، تو یہ اسکی عام باتیں ہیں تابعین سے، تو اس نے نہیں بتایا کہ یہ حدیث ابو ہریرہ سے سنی ہے کہ نہیں۔جس روایت میں آتا ہے کہ اس نے ابوصالح سے سنی ہے، ان کے شاگروں سے اس کی سند ضعیف ہے۔''

یہ جون سنہ ۲۰۰۹ کا دور ہے۔اس میں روایت ''رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي'' کو عجیب متن کی روایت قرار دیا اور ضعیف بھی بتلایا۔''رد اللہ علی روحی'' کے ضعف اور صحیح یا حسن کا کھیل یہاں ختم نہیں ہوتا اس کے راؤنڈ ابھی باقی ہیں۔یہاں تک تو یہی نظر آتا ہے کہ اردو تحریروں میں، سوال و جواب کی نشست میں روایت کو رد کیا جا رہا ہے، اور انوار الصحیفہ فی الاحادیث الضعیفہ جو کہ عربی میں ہے اس میں ضعف سے بچا کر صحیح یا حسن بنایا گیا ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عربوں کے مذہب، مسلک اور مزاج کو مدنظر رکھا گیا ہے کیونکہ وہابی، حنبلی تو اس روایت کو صحیح، حسن، جید وغیرہ مانتے ہیں۔عربی تصنیف کے ذریعے انہیں راضی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔اردو داں طبقہ کو ''تحقیق اور ''حق گوئی'' سے متاثر کیا گیا ہے۔مگر چونکہ ابھی سفر جاری ہے، کھیل کے راؤنڈ ابھی باقی ہیں اس لیے اس منظر کو ڈراپ سین نہیں کہا جاسکتا۔

اردو زبان میں ''حق گوئی'' کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔فروری سنہ ۲۰۱۰ میں اسماعیل بن اسحاق القاضی کی کتاب بنام ''فضل الصلوات علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' محدث موصوف کے اردو ترجمہ اور تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی۔ جس کا نام فضائل درود وسلام ہے، اس کتاب کے شروع میں زبیر علی زئی صاحب نے کتاب کے موضوع کے تعلق سے اپنی معروضات پیش کی ہیں۔اس میں صفحہ ۱۵ پر ''درود وسلام کی ضعیف روایات'' کی سرخی کے تحت ضعیف روایات پر کلام کیا ہے۔صفحہ ۲۱ اور ۲۲ پر زیر بحث روایت ''رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوحِي '' پر موصوف نے بالتفصیل کلام کر کے اسے ضعیف ٹھہرایا ہے، ملاحظہ ہو:

۹) ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' ما من أحد يسلم عليّ إلا ردّ اللّٰه عليّ روحي حتى أردّ عليه السلام '' جو شخص بھی مجھ پر سلام کہے گا تو اللہ مجھ پر میری روح لوٹا دے گا تا کہ میں اس کے سلام کا جواب دے دوں۔ (سنن ابی داود: ۲۰۴۱)

بعض علماء نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے لیکن اس روایت کی سند اس وجہ سے ضعیف ہے کہ اس خاص روایت میں یزید بن عبداللہ بن قسیط کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے اور ابن قسیط کی عام روایات تابعین عن الصحابہ سے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ نے روایتِ مذکورہ پر کلام کرتے ہوئے کہا: ''... ففي سماعه منه نظر '' پس اُس کے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع میں نظر ہے۔ (جلاء الافہام ص ۵۳)

اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اس خاص حدیث میں اُن کے سماع میں نظر ہے ورنہ ایک اور روایت میں یزید بن عبداللہ بن قسیط کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔

(دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/۱۲۲)

اس انقطاع کے شبہ کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

(فوٹو: فضائل درود وسلام صفحہ ۲۱، ۲۲)

اس کتاب کا مقدمہ یا ابتدائیہ کے آخر میں زبیر علی زئی صاحب نے ۱۰، اکتوبر ۲۰۰۹ کی تاریخ ڈالی ہے۔ملاحظہ ہو:

اللہ سے دعا ہے کہ وہ میرے اس عمل کو قبول فرمائے اور مجھے نبی کریم ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے۔آمین .

حافظ زبیر علی زئی
(۱۰/اکتوبر ۲۰۰۹ء)

(فوٹو: فضائل درود وسلام صفحہ ۳۶)

معلوم ہوا ۲۰۰۹ کا سال اس روایت کو رد کرتے ہوئے ہی گزرا، مگر ایسا اردو تحریروں اور زبانی سوال و جواب کی نشست کی حد تک ہی رہا۔عربی میں ضعیف روایات میں شامل نہیں کیا گیا بلکہ وہاں یہ صحیح یا حسن کے درجہ میں ہی رکھی گئی۔

شاید سنہ ۲۰۱۰ سوچنے سمجھنے میں گزرا کیونکہ اس میں کوئی واضح تبدیلی منظر عام پر نہیں آئی۔آخر کار ۲۰۱۱ کا سال موقف کی پھر تبدیلی لے کر آیا، وہ اس طرح کہ

سنہ ۲۰۱۱ میں محمد سرور عالم، مکتبہ اسلامیہ لاہور/فیصل آباد والے، نے مشکوٰۃ کو شائع کیا:

مشکوٰۃ المصابیح 8/1 عرضِ ناشر

ترجمہ کے فرائض پروفیسر ابوانس محمد سرور گوہر عفا اللہ عنہ نے سرانجام دیے ہیں۔انہوں نے انتہائی سلیس اور رواں ترجمہ پوری احتیاط کے ساتھ کیا ہے۔نظر ثانی کی اہم ذمہ داری میرے استاذ ذی وقار شیخ الحدیث حافظ ابومحمد عبدالستار حماد عفا اللہ عنہ نے نبھائی اور مفید علمی رہنمائی کا حق ادا کر دیا ہے۔احادیث کی تخریج وتحقیق کا فریضہ عصر حاضر کے عظیم محقق علامہ حافظ زبیر علی زئی عفا اللہ عنہ نے نہایت عرق ریزی سے سرانجام دیا ہے۔پروف ریڈنگ اور تصحیح حافظ ثناء اللہ ضیاء، مولانا سعید احمد چنیوٹی، محمد آصف عثمانی اور عابد محمود قدوسی نے کی ہے۔اسی طرح الاکمال کا ترجمہ علم دوست پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی عفا اللہ عنہ کے قلم سے ہوا ہے، اور اس کی تحقیق، تخریج وتصحیح حافظ ندیم ظہیر نے کی ہے۔اللہ تعالیٰ ان سب قابل قدر حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اگر چہ اس جدید دور میں جسمانی محنت تو کافی حد تک کم ہوگئی ہے، لیکن ذہنی کاوش میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔اہل فن جانتے ہیں کہ کتاب کی ڈیزائننگ، کمپوزنگ، سیٹنگ، پرنٹنگ اور بائنڈنگ انتہائی اعصاب شکن مراحل ہیں، لہٰذا اس موقع پر برادرم حافظ محمد عباد صاحب کا ذکر نہ کرنا بھی غیر مناسب ہوگا جن کی ان تھک کوشش اور عرق ریزی کی بدولت یہ شجر بار آور ہوا ہے اور تمام مراحل بخوبی طے ہونے کے بعد حدیث شریف کی یہ معروف کتاب قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں اور دعا گو بھی ہیں کہ خدمت حدیث کے صلے میں ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمائے جن کے متعلق آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس آدمی کو تر وتازہ وشاداب رکھے جس نے میرے فرمان کو سنا، پھر اسے یاد کیا اور اسی طرح (آگے) بیان کر دیا۔" ❶

ہم نے اس عظیم کتاب کی تیاری میں بھرپور کوشش کی ہے کہ کسی قسم کا سقم باقی نہ رہے، مگر کوئی بشر غلطی سے مبرا نہیں اور ہمیں اپنی کم مائیگی کا مکمل احساس ہے، لہٰذا اگر آپ کسی غلطی یا خامی سے مطلع ہوں تو ادارے سے رابطہ کریں۔ان شاء اللہ آپ کے شکریہ کے ساتھ تصحیح کر دی جائے گی۔اللہ تعالیٰ ہماری نیک خواہشات کو پورا کرے اور اس کتاب کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔آمین

(فوٹو مشکوٰۃ، عرض ناشر صفحہ ۸)

فوٹو سے ظاہر ہے اس کی تحقیق وتخریج زبیر علی زئی صاحب نے کی ہے۔اور اس میں زبیر علی زئی کا لکھا ہوا

مقدمہ بھی موجود ہے جس کے آخر میں انہوں نے ۲۶ جون سنہ ۲۰۱۱ کی تاریخ رقم کی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری اس کاوش کو میرے لئے اور محترم محمد سرور عاصم ﷾ کے لئے توشۂ آخرت بنائے اور قارئین کرام کے لئے علم وتحقیق کا مدلل وروشن مینار بنائے ، تا کہ صحیح احادیث پر عمل ہو اور ضعیف روایات سے اجتناب کیا جائے۔ (آمین)

حافظ زبیر علی زئی
(۲۶/ جون ۲۰۱۱ء)

(فوٹو: مشکواۃ، مقدمہ تخریج وتحقیق، زبیر علی زئی صفحہ ۱۳)

مشکواۃ میں حدیث نمبر ۹۲۵ کے تحت روایت ''رَدَّ اللہُ عَلَيَّ رُوحِي'' موجود ہے، اس کی تحقیق وتخریج میں محدث موصوف نے اس روایت کو ''اسنادہ حسن'' قرار دے کر یزید بن عبداللہ بن قسیط کا ابوھریرہ سے سماع ثابت مانا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

٩٢٥: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ((مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَى رُوْحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ)). رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ ⑤

① رواه مسلم (٧٠/ ٤٠٨)۔ ② **إسناده صحيح** ، رواه النسائي (٣/ ٥٠ ح ١٢٩٨) [وصححه ابن حبان (٢٣٩٠) والحاكم (١/ ٥٥٠) ووافقه الذهبي]۔ ③ **إسناده حسن** ، رواه الترمذي (٤٨٤ وقال: حسن غريب۔) [وصححه ابن حبان (٢٣٨٩) وحسنه البغوي في شرح السنة (٣/ ١٩٦ ، ١٩٧ ح ٦٨٦)] وللحديث شاهد ۔ ☆ عبدالله بن كيسان: وثقه البغوي و ابن حبان فهو حسن الحديث ۔ ④ **إسناده صحيح** ، وروواه النسائي (٣/ ٤٣ ح ١٢٨٣) والدارمي (٢/ ٣١٧ ح ٢٧٧٧) [وصححه ابن حبان (٢٣٩٢) والحاكم (٢/ ٤٢١) ووافقه الذهبي ۔] ☆ سفيان الثوري صرح بالسماع ۔ ⑤ **إسناده حسن** ، رواه أبو داود (٢٠٤١) والبيهقي في الدعوات الكبير (١/ ١٢٠ ح ١٥٨ ، و السنن ٥/ ٢٤٥) ☆ يزيد بن عبد الله بن قسيط ثبت سماعه من أبي هريرة عند البيهقي (١/ ١٢٢)۔

كِتَابُ الصَّلٰوةِ — 310/1 — نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجنے اور اس کی فضیلت کا بیان

۹۲۵: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔''

(فوٹو مشکواۃ جلد ۱، صفحہ ۳۰۹، ۳۱۰ حدیث نمبر ۹۲۵)

اس سے پہلے زیر نظر روایت اردو میں ضعیف تھی، اور اس کے راوی یزید بن عبداللہ بن قسیط کا ابوھریرہ سے سماع ثابت نہ تھا، البتہ عربی تصنیف میں اسے ضعیف ہونے سے بچا کر صحیح یا حسن رکھا گیا تھا۔ عوام اور معتقدین کے لیے اب یہ تحقیق اردو میں بھی فراہم کردی گئی ہے۔ اردو میں دستیاب تحقیق اب عربی کی تحقیق سے مکمل ہم آہنگ ہوئی۔ کیونکہ انوار الصحیفہ فی الاحادیث الضعیفہ (عربی) کے اگلے ایڈیشن میں جو بھی ترامیم کی گئی ان میں ''رَدَّ اللہَ عَلَيَّ رُوحِي'' کا اسٹیٹس وہی رکھا گیا، یعنی ضعیف میں شامل نہیں کیا گیا۔ یعنی محدث موصوف کے بیان کے مطابق وہ روایت صحیح یا حسن ہے۔

انوار الصحیفہ کے دوسرے ایڈیشن کے مقدمہ کے آخر میں محدث موصوف نے ۲۲ محرم ۱۴۳۳ھ کی تاریخ رقم فرمائی ہے، یعنی ۱۷ دسمبر ۲۰۱۱، ملاحظہ ہو:

تنبيه: كل حديث من السنن الأربعة ، الذي لم أذكره هاهنا فهو صحيح أو حسن عندي يحتج به ، والله أعلم وعليه التكلان.
حافظ زبير علي زئي
(٥/ محرم ١٤٢٥هـ/بعد المراجعة ٢٢ محرم ١٤٣٣هـ)

(فوٹو: انوار الصحیفہ، المقدمہ صفحہ ۹)

اس ایڈیشن میں جن روایات کا مراجعت کے بعد اسٹیٹس بدلا ہے اس میں ابوداوٗد کی حدیث نمبر ۲۰۴۱ ''رَدَّ اللّٰہُ عَلَيَّ رُوحِي'' موجود نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو:

أرقام الأحاديث التي صارت صحيحة و حسنة بعد مراجعتها. والحمد لله

د ٢٥٤٠، ٢٩٠٣، ٣٣٧١، ٣٦٢٧، ٣٩٢٤، ٤٦٩١، ٥٠٩٥، ٥١٥٦، ٥٢٠٣،
٥٢١٣

ت ١٠٥٥، ١٠٧٤، ١٢٢٨، ١٦١٦، ٣٢٧٩، ٣٦٧٩

ن ٧٢٩، ٩٨٦، ٥٥٦٨

جه ٧٦٢، ٢٢١٧، ٢٦٩٨، ٣٧٠٠

أرقام الأحاديث التى أضيفت فى أنوار الصحيفة بعد المراجعة.

د٢٧٩٦، ٢٨١٠، ٤٧٨٠

ت ٢٤٥، ١٠٥٥، ١٤٩٦، ١٦٩٠، ٢٥٣٢، ٢٨١٠، ٣٤٥٢، ٣٦٤٤

ن١٧٠، ٢٩٠، ٣١٠٨، ٥٣٢٤، ٥٣٧٤

جه١٠٩٨، ٣١٢٨، ٣٥٦٧

(فوٹو: انوار الصحیفہ صفحہ ۴)

معلوم ہوا کہ انوار الصحیفہ کے دوسرے ایڈیشن میں بھی اس روایت کو ضعیف ہونے سے محفوظ رکھا گیا ہے۔

روایت ''رَدَّ اللّٰہُ عَلَيَّ رُوحِي'' پر جس قسم کا تبصرہ سوال و جواب کی نشست میں محدث موصوف کر چکے تھے، اور تحریری طور پر ''فضائل درود وسلام'' میں اس کے ضعف پر جو تفصیلی کلام کیا تھا، اس کے بعد اس کو حسن قرار

دے دینا دنیا والوں کو حیران وششدر کر گیا ہے۔ جو بھی شخص یوٹیوب پر موجود ان کے سوال و جواب کی نشست سے ''مستفید'' ہوگا، جو بھی ''فضائل درود وسلام'' میں اس کے ضعف کی بحث پڑھے گا، وہ تو یہی سمجھے گا کہ اس روایت کو مان لینا اپنے ایمان وعقیدہ کو برباد کر لینا ہے۔ مگر آگے کے طرز عمل نے جو کچھ ثابت کیا وہ یہ کہ ''روح آئی پھر نکلی'' آئی پھر نکلی, آئی نکلی، صرف یہی عجیب نہیں بلکہ اس عجیب متن حدیث کو اسنادہ حسن اور سماع ثابت بنا ڈالنے کا طرز عمل بھی عجیب ہے۔ ۸۰، ۹۰ کی دہائی میں شروع ہونے والا یہ کھیل ۲۰۰۳ (توضیح الاحکام)، ۲۰۰۴ (انوار الصحیفہ)، ۲۰۰۵ (ابوداؤد کی تحقیق)، ۲۰۰۹ (یوٹیوب، سوال وجواب)، (درود وسلام کے فضائل) کے بعد ۲۰۱۱ (مشکواۃ کی تحقیق اور انوار الصحیفہ دوسرا ایڈیشن) کے راؤنڈ کر کے اختتام پزیر ہوا۔ کھیل کا اختتام بتا رہا ہے موصوف اپنے فرقہ اہل حدیث کے حق میں دستبردار ہو گئے، کیونکہ ان کے فرقہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ جب کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپؐ کی روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

روح کا آنا جانا جس کو عجیب لگتا رہا، جس کا کہنا تھا یہ تو قبر پر پڑھنے والے کے لیے ہے، اور قبر پر تو کوئی پڑھتا نہیں سوائے بادشاہوں کے، جو کہتا رہا کہ ابو ہریرہ سے ابن قسیط کا سماع ثابت نہیں۔ وہ آخر کار اس روایت کو حسن قرار دے کر لوگوں کو اس پر ایمان لے آنے کا بندوبست کر گزرا ہے۔ اہل حدیث فرقہ میں جو نحیف آواز اٹھی تھی اس نے اپنا گلا خود ہی گھونٹ لیا ہے! گویا کہ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا !

قرآن کے صریح نصوص کی تاویل کر لینا، ضعیف روایت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بتا کر لوگوں کو اس پر ایمان لے آنے کی دعوت دینا اس مسلک، اس فرقہ کا طرہ امتیاز ہے۔ ضعیف روایت کے ضعف کو صحت میں بدلنا تو ان کے لیے مسئلہ ہی کوئی نہیں، یہ تو روایات کے الفاظ کو بھی اپنے موقف کے حق میں ڈھال لیتے ہیں۔ الفاظ موجود نہ ہوں تو ان کے لیے تب بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوتا، اسی روایت کو دیکھ جائیں، اس کے الفاظ ہیں: **مامن احد یسلم علی۔۔۔۔** جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے حتی کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اس میں قبر کا لفظ موجود نہیں ہے مگر انہوں نے اس میں اپنی طرف سے قبر کے لفظ کو شامل کر لیا ہے۔ اب وہ اس کو قبر پر پڑھنے والے کے لیے خاص قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ موصوف زبیر علی زئی صاحب نے یوٹیوب پر موجود سوال وجواب کی نشست میں اس پر بطور خاص زور دیا ہے۔ قبر کے ساتھ اس کو خاص کرنے کے لیے ان کی دلیل حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ ان کے سلف ہیں۔ جیسا کہ محدث موصوف نے ابن الہادی کا نام نامی پیش کیا ہے۔ روایت عام ہے، عام کو خاص کرنے کے لیے اپنی طرف سے قبر کا لفظ تصور کر لیا گیا ہے۔ فرضی وتصوراتی موقف میں وزن پیدا کرنے کے لیے اپنے علماء کو پیش کر دیتے ہیں۔ ان کے لیے سب کچھ جائز ہے، دوسروں کے لیے مگر کسی روایت کی قرآن کے نصوص کی روشنی میں تشریح، تفسیر اور تعبیر کرنا گناہ اور جرم ہے۔ جیسے حدیث قرع نعالہم میں فرشتوں کے جوتوں کی چاپ مراد لینا گناہ اور جرم بنا کر یہ لوگ پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ ان کی ساری کاوشیں بس مردوں کو زندہ

کرنے کے لیے ہیں۔ان کے عقائد کے مطابق مردے سنتے ہیں، زائر کے سلام کا جواب دیتے ہیں، احساس وشعور رکھتے ہیں، قبر پر آنے والوں کو پہچان لیتے ہیں۔ان سے مانوس ہوتے ہیں۔مردہ پرستی، قبر پرستی کے لیے صاحب قبر میں یہ سارے وصف ماننا ضروری، ورنہ تو قبر پرستی کا سارا کاروبار ٹھپ ہوجائے گا۔مردوں کو مردہ مان لینے سے مجاوروں کو اپنی موت نظر آتی ہے۔مردوں کے زندہ ہوجانے کا نظریہ رکھنے والے اپنی موت سے خوف زدہ ہیں۔ قرآن کی آیات اور نصوص کے خلاف یہ سب مانا جاتا ہے، اس کے لیے ان کے پاس منکر وموضوع روایات ہیں یا بعض صحیح روایات کی قرآن کے خلاف تشریحات۔قرآن کے نصوص اور الفاظ کی جن کے نزدیک کوئی اہمیت نہ ہو وہ روایات کو ماننے کا واویلا کرتے نظر آتے ہیں۔بے شک قرآن اور صحیح احادیث دین کا ماخذ ہیں۔قرآن کی رو سے مردے ''اموات غیر احیاء'' ہیں یعنی مردے حیات کے بغیر ہیں۔کوئی صحیح حدیث نہ اس کے خلاف ہے، اور نہ ہوسکتی ہے۔

میت کے لئے راحت وعذاب سے مراد

وإنما لبس إبليس على هؤلاء لتركهم البحث عن التأويل المطابق لأدلة الشرع والعقل. فإنه لما ورد النعيم والعذاب للميت علم أن الإضافة حصلت إلى الأجساد والقبور تعريفاً كأنه يقول صاحب هذا القبر الروح التي كانت في هذا الجسد منعمة بنعيم الجنة معذبة بعذاب النار۔

(تلبیس ابلیس صفحہ۸۶)

بلکہ شیطان نے ان لوگوں کو دھوکہ دیا کہ وہ شریعت اور عقل کے دلائل سے مطابقت رکھنے والی تفسیر کی تلاش کو ترک کردیں۔کیونکہ جب میت کو ملنے والی نعمت اور عذاب کا تذکرہ ہوا تو معلوم ہونا چاہیے کہ قبروں اور جسموں کی طرف یہ نسبت تعریفاً ہے۔گویا کہا جارہا ہے کہ اس قبر میں مدفون جسم میں جو روح تھی اس روح کو جنت کی نعمتوں سے نوازا گیا ہے یا آگ کے عذاب کے ساتھ۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

(یہ لوگ اپنی کرنی سے باز نہ آئیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آ جائے گی تو کہنا شروع کرے گا کہ اے میرے رب، مجھے اسی دنیا میں واپس بھیج دیجئے جسے میں چھوڑ آیا ہوں۔ امید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا ہرگز نہیں، یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ بک رہا ہے۔ اب ان سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے۔ دوسری زندگی کے دن تک۔

(سورہ مومنون، آیت ۹۹۔۱۰۰)

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ڄ ښ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

ہم نے تم لوگوں کو اس عذاب سے ڈرا دیا ہے جو قریب آ لگا ہے۔ جس روز آدمی وہ سب کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے، اور کافر پکار اٹھے گا کہ کاش میں خاک ہوتا۔

(سورہ النبا، آیت ۴۰)

امام احمد بن حنبل کا عقیدہ

شرح أصول

اعتقاد أهل السنة والجماعة

من الكتاب والسنة وإجماع الصحابة والتابعين ومن بعدهم

تأليف

الشيخ الإمام العلامة الحافظ أبي القاسم هبة الله

ابن الحسن بن منصور الطبري اللالكائي

المتوفى سنة ٤١٨ هـ

خرج أحاديثه وعلق عليه

أبو يعقوب نشأت بن كمال المصري

المجلد الأول

أشرف عليه واعتنى به

مكتب دار البصيرة

بالإسكندرية

٢١٥٨ ـ أنا عبيد اللّٰه بن محمد، أنا عثمان بن أحمد قال: نا حنبل قال:

سمعت أبا عبد اللّٰه ـ يعني أحمد بن حنبل ـ يقول: «إذا صير العبد إلى لحده وانصرف عنه أهله أعيد إليه روحه في جسده فيسأل حينئذ في قبره. وهو قول اللّٰه: ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ [إبراهيم: ٢٧] يعني القبر، فنسأل اللّٰه أن يثبتنا على طاعته ويبارك لنا في تلك الساعة عند المساءلة، فالسعيد من أسعده اللّٰه عز وجل؛ قال: وسمعت أبا عبد اللّٰه يقول: نؤمن بعذاب القبر ومنكر ونكير».

(فوٹو: شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة تالیف اللالکائی جلد ۱ صفحہ ۹۷۵)

حنبل کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ یعنی احمد بن حنبل کو کہتے ہوئے سنا کہ جب بندہ اپنی لحد میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اہل لوٹتے ہیں تو اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے، اس وقت اس سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے۔ اللہ کے فرمان: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِالقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الحَيَاةِ الدُّنيَا وَفِی الاخرة (ابراہیم ۲۷) کا یہی مطلب ہے اس آیت میں آخرت سے قبر مراد ہے۔ ہم اللہ سے اطاعت پر ثابت قدمی کی سوال کرتے ہیں سوال و جواب کے وقت کو ہمارے لیے مبارک بنائے، نیک بخت تو وہ ہے جسے اللہ نیک بختی عطا کرے۔ حنبل نے کہا: اور میں نے ابوعبداللہ کہتے سنا کہ ہم عذاب قبر اور منکر نکیر پر ایمان لاتے ہیں۔